قیمت: ۴۰ روپے

پاکستان کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا خواتین کا مقبول ترین ہفت روزہ

خواتین کا اسلام

1093
بدھ 15 شوّال 1445ھ مطابق 24-اپریل 2024

تربیت کا انوکھا رنگ

جنت کی خوشبو

ایک مہکتا گلدستہ

زکوٰۃ کے نصاب کیلئے فون پر رابطہ کر سکتے ہیں

Zaiby Jewellry
SADDAR

021-35215455, 35677786 zaiby_jewellery Zaiby_jewellery
zaiby.jeweller@gmail.com Zaibunnisa Street, Saddar, Karachi

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

القرآن

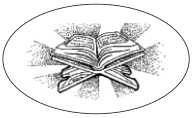

گناہ پر تعاون سے ممانعت

اور لوگوں کی دشمنی اس وجہ سے کہ انھوں نے مسجد حرام سے روکا تھا، تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان پر زیادتی کرنے لگو، اور دیکھو! نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں تعاون نہ کیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔

(سورۂ مائدہ: آیت ۲)

الحدیث

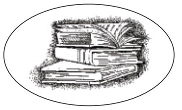

گناہ پر تعاون کرنے والی سزا

حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اگر زمین اور آسمان والے سارے کے سارے کسی ایک مومن کے قتل میں شریک ہوجائیں (تعاون کریں) تو اللہ ان سب کو دوزخ میں ڈال دے گا۔''

(مسند احمد)

مولانا مفتی محمد ابراہیم صادق آبادی

رضاعی بھتیجی سے نکاح:

سوال: میری بڑی بیوی نے میرے چھوٹے بھائی کو اس کے زمانہ شیر خوارگی میں دودھ پلایا۔ میری چھوٹی بیوی سے میرا بیٹا ہے۔ کیا اس بیٹے کا نکاح میرے چھوٹے بھائی کی بیٹی سے جائز ہے؟

(میر محمد۔ راجن پور)

جواب: یہ نکاح جائز نہیں اس لیے کہ یہ لڑکا لڑکی رضاعی چچا بھتیجی ہیں۔

رضاعی چچازاد سے نکاح:

سوال: میری اہلیہ نے میرے بھتیجے کو دودھ پلایا تھا۔ سوال یہ ہے کہ میری پوتی کا نکاح اس بھتیجے کے بیٹے سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ (یار محمد۔ راجن پور)

جواب: یہ نکاح ہوسکتا ہے، اس لیے کہ لڑکا لڑکی باہم چچازاد ہیں۔ چچازاد رضاعی ہو یا حقیقی بہر صورت نکاح جائز ہے۔

میراث کا مسئلہ:

سوال: مرنے والے کا پوتا، بھائی، بھانجے، بھانجیاں زندہ ہوں تو ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

جواب: پورا ترکہ پوتے کو دیا جائے گا۔ بھائی، بھانجے بھانجیاں محروم ہیں۔

قسم کھا کر کہتا ہوں یہ کام نہ کروں گا:

سوال: کسی نے کہا قسم کھا کر کہتا ہوں یہ کام نہ کروں گا، پھر وہ کام کرلیا تو کیا قسم کا کفارہ دینا پڑے گا؟

جواب: ''قسم کھا کر کہتا ہوں'' سے بھی قسم منعقد ہوجاتی ہے لہٰذا اس قسم کے توڑنے پر کفارہ واجب ہوگا۔

پلاٹوں کی خرید وفروخت پر اشکال کا جواب:

سوال: آج کل پلاٹوں کا کاروبار اس طرح چل رہا ہے کہ مالکِ زمین پوری کالونی کا نقشہ تیار کرتا ہے جس میں مختلف سائز کے پلاٹ ہوتے ہیں، سڑکیں ہوتی ہیں، مسجد، اسکول، پارک غرض بننے والی کالونی کا مکمل نقشہ ہوتا ہے۔ اور خرید وفروخت عموماً قسطوں پر ہوتی ہے، جب گاہک آتا ہے تو مالک نقشہ اس کے سامنے رکھ دیتا ہے، وہ نقشہ کی مدد سے اپنے پسند کا پلاٹ منتخب کرکے سودا کرلیتا ہے، اور قسط وار رقم ادا کرتا ہے۔ اگر بیچنا چاہے تو آگے دوسرے گاہک کے ہاتھ فروخت کردیتا ہے۔ پھر دوسرا گاہک تیسرے کو اور تیسرا چوتھے کو۔ آخری گاہک بقیہ قسطیں ادا کرکے مالک سے پلاٹ حاصل کرتا ہے، سوال یہ ہے کہ:

(1) صرف نقشہ دکھا کر پلاٹ بیچنا خریدنا جائز ہے؟ جبکہ زمین پر بعض اوقات فصل کاشت کی ہوتی ہے اور پلاٹ کا وجود ہی نہیں ہوتا۔

(2) رقم کی کچھ قسطیں ادا کرکے آگے پلاٹ دوسرے گاہک کے ہاتھ فروخت کردینا اور دوسرے کا تیسرے کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے؟ جبکہ پلاٹ کا قبضہ ابھی کسی کو بھی نہیں ملا، اس لیے کہ مالک کم از کم نصف قیمت وصول کرنے کے بعد قبضہ دیتا ہے۔ بائع نے پلاٹ کا قبضہ حاصل کیا، نہ اسے دیکھا تو ایسی بیع کا کیا حکم ہے؟ (م،م،ا۔ رحیم یار خان)

جواب: (1-2) اس طرح پلاٹوں کی خرید وفروخت جائز ہے۔ یہ کہنا غلط ہے کہ ہنوز پلاٹ کا وجود نہیں، ہاں اگر زمین ہی موجود نہ ہو، فرضی نقشہ تیار کرلیا جائے تو بیع جائز نہ ہوگی۔ اسی طرح یہ اشکال بھی درست نہیں کہ بائع نے پلاٹ دیکھا نہ اس پر قبضہ کیا۔ اس لیے کہ نقشہ کے ذریعے جب پلاٹ کا محل وقوع، اس کا طول عرض وغیرہ سمجھا دیا تو یہی تعیین کافی ہے اور یہ دیکھنے کے قائم مقام ہے۔ (ولا یسقط خیارہ فی العقار حتی یوصف لہ) لان الوصف یقام مقام الرؤیۃ کما فی السلم (ھدایہ) اور بائع کی طرف سے یہ شرط صحیح ہے کہ وہ نصف قیمت وصول کرنے کے بعد قبضہ دے گا۔ بلکہ اگر مشتری سے یہ طے کرلے کہ پوری قیمت وصول کرنے کے بعد قبضہ دے گا تب بھی صحیح ہے۔ فلا اشکال۔

کیا موبائل پیغام کا جواب دینا ضروری ہے:

سوال: حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ نے آیت استیذان کے ذیل میں ٹیلیفون کے بعض احکام بھی لکھے ہیں کہ جو آدمی ٹیلیفون پر آپ سے بات کرنا چاہتا ہے اس کا حق ہے کہ آپ اس کو جواب دیں۔ فون کا جواب نہ دینا دوسرے کی حق تلفی ہے (ملخص معارف القرآن 6/394)۔ پوچھنا یہ ہے کہ موبائل فون میں ہمیں کسی نے میسج کیا تو اس کا جواب دینا بھی فون ہی کی طرف ضروری ہے؟

(مریم آفتاب۔ اقرأ روضۃ الاطفال ٹرسٹ)

جواب: موبائل فون کے ذریعے بھیجے گئے پیغام کا وہ حکم نہیں جو فون کا ہے۔ یوں بھی اس قسم کے پیغامات کی اتنی بھر مار ہے کہ سب کا جواب دینا ممکن بھی نہیں، البتہ اخلاق ومروت کا تقاضا ہے کہ کوئی اہم اور معقول پیغام ہو تو اس کا جواب دے دیا جائے۔

ایک منے کی سرگزشت

عشرت جہاں

دنیا بھر کے بچوں کا ادب اٹھا کر دیکھ لیجیے۔ مشرق ہو یا مغرب ہر جگہ ہم جیسے منوں کو مشقِ ستم بنایا گیا ہے۔ بین السطور ہمیں نخریلا، رتو، چالاک، پیٹو اور نہ جانے کیا کچھ ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ آج ہماری بپتا بھی سن لیجیے۔

ہم دنیا میں تشریف لا چکے ہیں اور اگر ہم اکلوتے بھی واقع ہوئے ہیں تو دادا، دادی، نانا، نانی، خالہ، خالو، ماموں، ممانی، چچا چچی، پھوپا پھوپی وغیرہ جیسے رشتے نبھانے کے لیے پیدا ہوئے ہیں۔ گویا ہمہ وقت ان رشتوں کی بھول بھلیوں میں کھوئے رہتے ہیں۔

دادی کی جان، نانی کا مان، ابا کا لاڈلا، امی کا پیارا، میرا گگلو، میرا منو، میرا شیرو، میرا ببلو، میرا سونا، میرا مونا، میرا ہیرا، میرا موتی، میرا گڈا، میرا ببلو اتنے ڈھیروں القاب کا بوجھ اٹھائے ہم پھلنے پھولنے لگتے ہیں۔

ذرا بڑے ہوئے اور زیادہ بڑوں کا جوش ٹھنڈا پڑا تو ہمیں تند خو کڑک چائے جیسی آپا کے دستِ شفقت تلے پلنے کے لیے دے دیا جاتا ہے۔ ایسی آپا جو شہزادی یاسمین، ظالم جادوگر، چلوسک ملوسک، ٹارزن، چھن چھنگلو اور آنگلو بانگلو کی جیبی سائز کہانیوں کی رسیا ہیں۔ ہوتا یوں ہے کہ اپنا شوق پورا کرنے کو ہمیں گود کی جھولی میں ڈالا۔ ایک ہاتھ میں پکڑا چلوسک ملوسک کا نیا کارنامہ اور ہمیں جھلانا شروع کر دیا۔ ہماری آڑ میں کام سے بھی بچیں، امی کی مار سے بھی۔ اب ہم لاکھ منہ بسوریں کہ ہمیں ہرگز نیند نہیں آرہی، مت جھلائیے مگر ہماری سنتا کون ہے؟ ہماری روں روں پر ہمیں جھٹکوں پر جھٹکے دیے جا رہے ہیں۔ ننھی منی جان کو دھمکایا جا رہا ہے۔ آخری حربے کے طور پر لوری سنائی جا رہی ہے:

منے منے سو جا...... لال پلنگ پہ سو جا
امی ابو آئیں گے، کھیل کھلونے لائیں گے
ایک کھلونا ٹوٹ گیا...... منا ہم سے روٹھ گیا

کڑک آپا کی پھٹے ڈھول جیسی آواز سن کر ہمارے ننھے فرشتے بھی بیدار ہو جاتے ہیں۔ آپا ہماری آنکھوں پر ہاتھ رکھ رہی ہیں کہ ہم سو نہیں رہے تو سوتے ہی بن جائیں کہ اسی دوران اُن کے لمبے بالوں کی ایک لٹ ہمارے ہاتھ میں آجاتی ہے۔ اب وہ اپنے بال چھڑانے میں ہلکان ہو رہی ہیں، ہمیں دھمکیاں دیے جا رہی ہیں اور ہم اپنی ننھی ٹانگوں سے انھیں خوب دھنک رہے ہیں۔ جواباً کڑک آپا کا ایک دھموکا ہمیں لگتا ہے اور منجھلی آپی کی ممتا جاگ اٹھتی ہے۔

وہ ہمیں اپنی گود میں دبکائے کڑک آپا کی نظروں سے دور لے آتی ہیں جو بیٹھے بیٹھے دانت پیس رہی ہیں، یہ تو رہی آپاؤں کی بات۔

دن میں قیلولے کے لیے پنگھوڑے میں لیٹے ہیں کہ چاچو جان کالج سے سیدھے ہماری جانب کھنچے چلے آ رہے ہیں، پھر ہمیں جگا کر پوچھا جاتا ہے:

''ہمارا منا سو تو نہیں رہا؟''

''اوئے ہوئے گگلو منا۔'' اپنا تربوز جیسا سر ہمارے پیٹ پر رکھ کر گدگدی کی جا رہی ہے۔ ان کی داڑھی کے بال ہماری ناک میں گھس رہے ہیں اور ہماری روں راں پر اُن کی باچھیں کھلی جا رہی ہیں۔

ماموں جان بہانے بہانے سے تشریف لائیں گے۔ سب سے پہلے ہوا میں اچھال کر ہمارا وزن چیک کریں گے۔ لاکھ ہمارا ننھا منا دل سینے میں دھڑ دھڑائے، کلیجہ اچھل کر حلق کو آئے انھیں کیا۔ ایک کے بعد دوسری، دوسری کے بعد تیسری اچھال، غرض ان کا لاڈ ہی یہ ہے کہ وہ ہمیں سکے کی طرح ہوا میں اچھالتے رہیں اور ہم زمین کا سفر طے کرتے اُن کی بانہوں میں آگریں۔

اُدھر تائی، چچیاں ہماری ننھی پیٹھ پر دھموکے جڑ جڑ کے ہمیں بلاوجہ کا ہاضمہ کروا رہی ہیں۔ خالائیں، پھوپیاں گال نوچ نوچ کر اپنی محبت جتا رہی ہیں۔

اور تو اور قربانی والی عید ہو تو ہمیں بکروں پر بٹھایا جاتا ہے۔

چوزے اور بلیوں کے بلونگڑے ہماری گود میں ڈال کر ہمارے ڈر جانے پر قہقہے لگائے جاتے ہیں۔ ہماری بھول پن کی کہانیاں ہر آنے جانے والے کو ہنس ہنس کر سنائی جاتی ہیں، جن کا تذکرہ منہ در منہ مہینوں تک چلتا رہتا ہے۔

دن رات ماؤ بلی اور بھوں بھوں کتا بننے کی تربیت دی جاتی ہے۔

ذرا جو گھر میں خاموشی ہو اور کرنے کو کوئی کام نہ ہو تو ہم سے فرمائش کی جاتی ہے:

''ماؤ بلی بن کر دکھاؤ منے! بھوں بھوں کتا کیسے کرتا ہے؟ ہمارا منا اتنا اچھا بھوں بھوں کرتا ہے کہ کیا ڈوگی کرتا ہوگا، ذرا کر کے تو دکھاؤ منے......!''

ارے اے بڑو! ہماری جان بخش دو......!!!

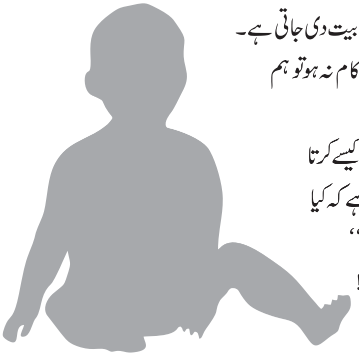

☆☆☆

مدیر اعلیٰ: مفتی فیصل احمد | مدیر: انجینئر مولانا محمد افضل احمد خان | مدیر مسئول: محمد فیصل شہزاد

''خواتین کا اسلام'' دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون: 021 36609983 ای میل: fayshah7@yahoo.com

انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk سالانہ زرتعاون: اندرون ملک 2000 روپے، بیرون ملک ایک میگزین 25000 روپے، دو میگزین 28000 روپے

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر خواتین کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جاسکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

ایک مہکتا گلدستہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

سنہ ۱۴۳۶ یا شاید ۳۷ھ کی بات ہے، جب ایک دن فون پر اثنائے گفتگو باجی ریحانہ تبسم فاضلی نے اپنی اُن کتب کے بارے میں بتایا، جو وہ آئندہ برسوں میں لکھنا چاہتی تھیں۔ آپ نے تین چار عنوانات ذکر کیے۔ اُن میں دو عنوان ہمیں اتنے خوبصورت، منفرد اور شاعرانہ سے لگے کہ پہلی بار سنتے ہی ذہن میں نقش ہو گئے۔ دونوں کتب کا موضوع بھی اتنا دلچسپ تھا کہ یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش! یہ جلد از جلد لکھی جائیں۔ سو اُس دن کے بعد سے جب بھی باجی مدظلہا سے آپ کی آنے والی کتب کا ذکر ہوا، ہمارا اصرار ان دونوں کتب کے جلد از جلد لکھنے پر رہا۔

اُن میں سے ایک عنوان سے معنون کتاب تو الحمدللہ آج ہمارے ہاتھ میں ہے:

''جادۂ حق کے مسافر!''

جب کہ دوسری کتاب کا عنوان تھا: ''یادوں کے جزیرے'' (یہ باجی کی آپ بیتی ہوگی اور امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ بہت جلد ہم اُن کی یادوں کے جزیرے کی بھی سیر کریں گے)!

''جادۂ حق کے مسافر'' زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر آج ہمارے ہاتھ میں آئی ہے، لیکن اِس کا خیال اور اس پر کام یقین کیجیے برسوں بلکہ عشروں پر محیط ہے۔ اِس کتاب میں جادۂ حق کے جن پیارے مسافروں کا مشک بار تذکرہ ہوا ہے، اُن کے نیک احوال عشروں تک باجی محترمہ کی یادوں کے شیش محل میں رہے ہیں اور اب شعر و نثر سے مرصع ہو کر ہم تک اس خوش رنگ کتاب کے ذریعے پہنچے ہیں۔

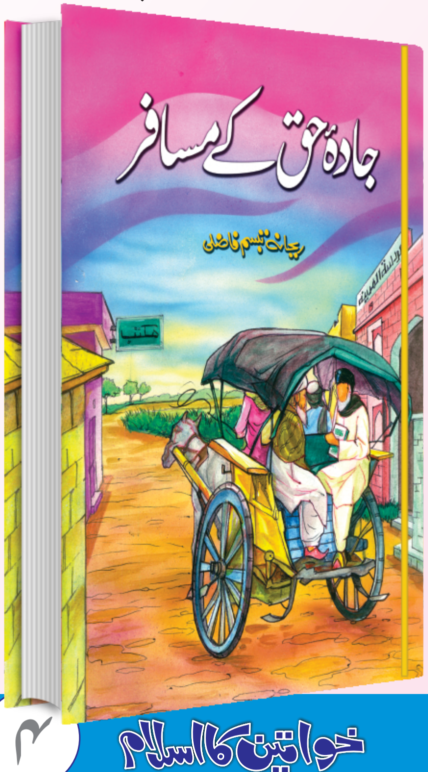

یہ کتاب اللہ میاں کے پیاروں سے عقیدت کا ایک ایسا نیاز مندانہ ادبی اظہار ہے، جس کی تعریف کے لیے سچی بات ہے، ناچیز کے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ جس خوبصورتی اور اخلاص سے باجی جان نے اسلافِ امت اور اپنے محسنین علمائے دین و مشاہیر امت کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے، وہ نہایت قابلِ تعریف ہے۔

کتاب کی ابتدا جیسا کہ حق ہے، خدائے ذوالجلال کی حمد وثنا اور محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں نذرانہ نعت پیش کرنے سے ہوتی ہے اور پھر بڑی خوبصورت ترتیب کے ساتھ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان بیان کرتے ہوئے عصر حاضر کے علمائے کرام کی مدحت پر اختتام پذیر ہوتی ہے۔

اِس کتاب میں بھی باجی جان کی تمام کتب کی طرح نہایت وقیع اور قرآن، حدیث و تاریخِ اسلامی کے مستند حوالوں سے مزین تحقیقی مضامین کے ساتھ ساتھ جو ایک خاص بات ہے اور جو ہمیشہ ہمیں باجی کی کتابوں میں بہت خوب لگتی ہے، وہ ہے باجی محترمہ کا موضوع کی مناسبت سے اپنی یادوں کے چمن سے خاص خاص پھولوں کا چننا اور نذرِ قارئین کر دینا۔ یہاں بے ساختہ باجی کے خاوند مرحوم فاضلی صاحب کے ماموں زاد بھائی امید فاضلی کا شعر یاد آیا ہے۔

جل اٹھتے ہیں یادوں کی منڈیروں پر سرِ شام
جو خواب بچا لایا تھا جلتے ہوئے گھر سے

ہماری رائے میں اِس طرزِ تحریر سے مضمون زیادہ دلچسپ اور زیادہ مفید ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ ایک تو اس طرح قاری کا ذہن مضمون سے اکتاتا نہیں ہے، وہ آپ بیتی اور کہانی کا لطف بھی ساتھ ساتھ پاتا ہے، دوسرے یہ بات اپنی جگہ محکم ہے کہ مثالوں سے بات زیادہ اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے، خاص طور پر حقیقی مثالیں ہوں اور سچے واقعات ہوں تو نور علیٰ نور والی بات ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر پہلے مضمون ''اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ہی کو دیکھیے۔ اِس مضمون کا آغاز ہی باجی جان نے روایتی انداز میں نہیں کیا، بلکہ پڑھنے والے کو فوراً اپنی ایک دلچسپ اور خوبصورت یاد میں شامل کر لیا ہے۔ ایک خاتون کا فون، اُن کے اشکالات اور باجی جان کا ایک کامیاب داعی کی طرح پورے تحمل کے ساتھ شافی جوابات۔

صرف یہی واقعہ نہیں، پوری کتاب میں باجی جان مضامین کی مناسبت سے اپنی یادوں کے گلشن سے حسین پھول چنتی رہی ہیں، جنھیں پڑھنے والے آپ کی روشن زندگی کی جھلکیاں دیکھ کر بے ساختہ سبحان اللہ کہہ اٹھیں گے۔

آپ ماشاءاللہ کس قدر کامیاب داعی ہیں اور اپنے شیخ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی نسبت کا روحانی اثر آپ پر کس خوبی سے ہوا ہے، وہ آپ کی زندگی کے اِن تمام واقعات سے بخوبی عیاں ہے۔ مثلاً دعوت کا ایک رنگ اگلے مضمون ''توبہ اور ذکرِ الٰہی'' میں دیکھیے، جب سرسید کالج میں آپ کی تعیناتی کے دوران میں ایک طالبہ نے آپ کو خط لکھا۔ کتنا پر اثر واقعہ ہے یہ اور ہمیں بتاتا ہے کہ صبر وتحمل سے دین کی مسلسل دعوت بالآخر کیسے پتھر دلوں کو بھی موم کر دیتی ہے۔

کتاب میں حضرتِ والا مولانا مفتی رشید احمد رحمہ اللہ کے حوالے سے بھی باجی جان نے اپنی کچھ عطر بیز یادوں کو قارئین سے بانٹا ہے کہ کیسے حضرتِ والا باجی جان کا خیال رکھتے، آپ سے اپنی خوشیاں بانٹتے اور آپ کے اکرام کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ باب خاص طور پر حضرت والا کے متعلقین کو بے حد مسرور کرے گا۔ ہمیشہ کی طرح گراں قدر واقعات بیان کرنے

کے بعد باجی جان نے ایک بے حد خوبصورت نظم میں حضرت مفتی صاحب کو خراجِ تحسین بھی پیش کیا ہے۔

تا حشر تازہ رکھے گی اذہانِ دہر کو
ایسی مہک لٹا کے گلِ تر چلا گیا

"ماضی کے دھندلکوں سے" اور "علمی درس گاہوں کی روشنی" بھی آپ بیتی کے انداز میں کتاب کے دو بہت ہی خاص باب ہیں، جن کی سطر سطر گواہ ہے کہ ہم آج اس میٹھے پھل کی مٹھاس سے استفادہ کر رہے ہیں تو یہ کس سعید اور بابرکت شجر کا ہے......!

جی ہاں! باجی کے بچپن کے واقعات بے حد حیرت انگیز اور پر اثر ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ باجی کے لیے ان کے ابا جی (دادا) اور اماں جی (دادی) کی گود کا انتخاب قدرت نے خاص طور پر کیا تھا کہ جن کے سایۂ عاطفت میں یہ نرم و نازک کونپل پلی بڑھی اور آج بناتِ اسلام کے لیے ایک شجرِ سایہ دار ہے۔

دادا، دادی جان کے علاوہ اِن ابواب میں باجی کے تمام معزز و محترم اساتذہ حضرت مولانا یوسف چوڑی والان، حضرت مولانا عبدالسلام نیازی، نانا حافظ رحیم الدین، دادا جناب رحمت اللہ، حضرتِ والا مفتی رشید احمد، حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستی، حضرت مولانا فضل محمد، جناب ماسٹر انوار اور باجی کی تمام محترم استانیوں (رحمہم اللہ تعالیٰ) کا ذکر خیر بہت خوبصورتی سے کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اِن تمام سعید روحوں کو اپنا خاص قرب عطا فرمائے، آمین!

کتاب کے آخر میں ایک بہت ہی خوبصورت باب بعنوان "علمائے پاک و ہند کی شان میں نظموں کا تحفہ" ہے۔ یوں تو پوری کتاب ہی میں باجی جان نے خوبصورت نثر پاروں کی انگوٹھی میں اپنا منظوم کلام کسی نگینے کی طرح جڑا ہے۔ جا بجا حالِ دل بیان کرتے خوبصورت اشعار نے کتاب کو چار چاند لگا دیے ہیں، لیکن اِس آخری باب میں تو خاص طور پر علمائے پاک و ہند کی شان میں کہی گئیں وہ دلکش نظمیں ہیں کہ شاید ہی پہلے کبھی اِس عنوان پر کسی شاعر نے اس طرح کہی ہوں گی۔ اِس باب میں حضرت حضرت مولانا حسین احمد مدنی، مولانا محمد الیاس کاندھلوی، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا سید سلیمان ندوی، حضرت سید اسعد مدنی، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید، حضرت مولانا عبداللہ درخواستی، حضرت مفتی نظام الدین شامزئی شہید، حضرت مولانا ضیاء القاسمی، حضرت مولانا مفتی محمد جمیل احمد خان شہید، حکیم محمد سعید شہید رحمہم اللہ تعالیٰ اور مولانا عبدالقیوم حقانی کو خراج تحسین پیش کرتی شاندار نظمیں ہیں۔

قصہ مختصر؛ کتاب "جادۂ حق کے مسافر" ایک ایسا گلدستہ ہے، جس کے مطالعے سے قارئین کے دل و دماغ مہکتے رہیں گے اور ان کے دل میں حق کی راہ میں چلنے والوں کے دلنشین احوال پڑھ کر اُن کے نقش قدم پر چلنے کا شوق پیدا ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ!

آخر میں باجی کی نذر میر تقی میرؔ کا ایک شعر، جو گویا باجی کی اِن پیاری کتب کے لیے کہا گیا۔

باتیں ہماری یاد رہیں، پھر باتیں ایسی نہ سنیے گا
کہتے کسی کو سنیے گا تو دیر تلک سر دھنیے گا

کتاب منگوانے کے لیے (03000668891) پر صرف ۲ سے شام ۵ بجے تک رابطہ کیجیے۔

والسلام
مدیر مسئول
محمد فیصل شہزاد

رمضان المبارک کے لمحات کو قیمتی بنانے کے لیے...... دعاؤں کا مجموعہ

مستند مجموعۂ اوراد و وظائف
(رمضان ایڈیشن)

- فضائلِ رمضان مع مسائلِ رمضان
- مختلف قرآنی سورتوں کے فضائل
- فضائلِ دعا، ستر استغفار، چہل رَبَّنا
- جادو ٹونہ وغیرہ سے حفاظت کی دعائیں
- عافیت، غم و پریشانی سے راحت، نماز وغیرہ سے متعلق دعائیں اور جمعۃ المبارک کے اعمال

صرف
950/-

خود بھی مطالعہ کیجیے اور متعلقین کو تحفے میں دے کر کتاب دوست بنائیے۔

بیت العلم (الوقف)
رابطہ نمبر: 0309-2228089، 0321-8566511 برائے تجاویز: 0322-2583196
Visit us: www.mbi.com.pk maktababaitulilm

یادیں ہم سفر میری

میری ساس اماں

مفتی آصف محمود قاسمی

”مجھے اپنی حافظہ عالمہ بیٹی کے لیے حافظ عالم ہی کا بر چاہیے، خواہ وہ ابھی طالب علم ہی کیوں نہ ہو۔“

اپنی بیٹی کے رشتے کے لیے متفکر ماں کے یہ الفاظ جس وقت اپنے شوہر کے سامنے ادا ہورہے تھے، شاید وہ قبولیت کی گھڑی تھی۔

مالکِ کائنات نے ایک ماں کی تڑپ کو من وعن قبول کرتے ہوئے مجھ جیسے نالائق کو دورانِ تعلیم ہی اس نیک خدا ترس خاتون کی دامادی میں دے دیا۔

شادی کے بعد جب اس مبارک ومسعود وجود کو دیکھا تو اندازہ ہوا کہ منورجبیں کیا ہوتی ہے؟ دین دار کہلانے اور دین دار ہونے میں کیا فرق ہوتا ہے؟ ان کی بیٹی جب میرے حبالہ عقد میں آئی وہ تب بھی عمر کے اس حصے میں داخل ہوچکی تھیں کہ وہ اگر چہرے کا پردہ ختم بھی کردیتیں تو شرعاً ان کے لیے جائز تھا مگر انھوں نے تادمِ واپسی اٹھاسی سال کی عمر میں بھی اس رخصت کو نہیں اپنایا۔

چہرہ کھولنا تو رہا ایک طرف، وہ بھی دستانوں اور جرابوں کے بغیر بھی گھر سے باہر قدم نہ رکھتیں۔

جب ان کی پہلی پوتی کی شادی ہوئی تو بڑے اہتمام سے مجھ سے پوچھا کہ پوتی کے شوہر سے پردے کا کیا حکم ہے؟ جب میں نے ان کو بتایا کہ پوتی کے شوہر سے دادی کا پردہ نہیں، تب کہیں جاکر پوتے داماد کو آنے کی اجازت دی۔

دین دار پردہ نشین خواتین خاص کر نسلِ نو کی بچیوں سے بہت محبت کرتیں، اور دین بے زار بے پردہ خواتین اور بچیوں سے سخت بے زار ہوتیں۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں دینی حمیت سے بھرپور نواز رکھا تھا۔ کسی منکر کو دیکھ کر خاموش نہ رہ پاتیں، خواہ ان کی نکیر کسی کو بھلی لگے یا بری۔ اُن کے انگ انگ سے للّٰہیت اور خشیتِ خداوندی ٹپکتی تھی۔

عام دن ہو یا خاص، گرمی ہو یا سردی، دیکھنے والا ان کو یا تو قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے پاتا یا پھر خاموشی سے کسی کام میں مصروف۔ بڑھاپے کی حالت میں بھی آپ کی یومیہ تلاوت دس پارے ہوتی۔ آپ کی زبان لایزال لسانک رطباً من ذکر اللّٰہ اور قل الخیر والا فاسکت کا مصداق تھی۔

آپ سراپا شفقت ہی شفقت تھیں۔ غصہ نام کی چیز ہی آپ کے اندر نہ تھی۔ کسی سے ظلماً جھگڑنا تو بڑی بات، اپنے دفاع میں بھی کسی سے سخت کلامی نہ کرتیں۔ معصوم بچوں کے ساتھ تو بہت زیادہ نرمی والا برتاؤ کرتیں۔

بڑھاپے کے باوجود نہ صرف اپنے کام خود کرتیں بلکہ دوسروں کے کام بھی خوش دلی کے ساتھ کردیتیں۔

اللہ تعالیٰ نے جب مجھے الگ گھر دیا تو گھر کی رونق بڑھانے کے لیے میں اکثر ان کو اپنے پاس لے آیا کرتا تھا، اور ان کے آنے سے میرے گھر کی بے کار اشیا بھی کارآمد ہوجاتیں۔

میں ان سے بطورِ مزاح کہتا کہ ہم آپ کی خدمت کے لیے آپ کو لاتے ہیں لیکن آپ خدمت کروانے کی بجائے ہر وقت خدمت کرنے میں مصروف رہتی ہیں، اور وہ جواب میں فقط مسکرادیتیں۔

میں حیران ہوا کرتا تھا کہ ہمیں ہمیشہ وقت کی قلت کا شکوہ رہتا ہے اور انھیں دیکھو، پنج وقتہ نماز کے علاوہ یومیہ دس پاروں کی تلاوت، صبح وشام کے اذکار ومنزل، زاد السعید پڑھنے کے بعد بھی اتنا وقت بچالیتی ہیں کہ پرانے کپڑوں کو ادھیڑ ادھیڑ کر ٹرنکوں اور پیٹیوں کے غلاف بن رہے ہیں، چاول، دالوں وغیرہ کی صفائی ہورہی ہے، کھانے کی تیاری میں معاونت ہو رہی ہے، چھت پر پڑے گملوں میں پودینے اور دھنیے کی کاشت ہورہی ہے۔

اعمالِ صالحہ کی وجہ سے ان کے اوقات میں برکت ہی برکت تھی، اور ہم بے عملوں کے وقت برکت سے خالی ہونے کی وجہ سے روزانہ کے کئی کام ادھورے رہ جاتے۔

مجھ سے بہت زیادہ محبت سے پیش آتیں۔ میری پسند کا بہت زیادہ خیال رکھتیں۔ میری آمد پر میرے پسندیدہ کھانے بڑے اہتمام سے تیار کرواتیں۔ مجھے بھرپور وقت دیتیں تاکہ میں بور نہ ہوجاؤں۔

سوکن کو برداشت کرنا ایک خاتون کے لیے مٹھی میں انگارہ پکڑنے کے مترادف ہوتا ہے۔ عام طور پر دوسری شادی سے پہلا گھر اجڑ جاتا ہے یا طویل ناراضی کے باعث بدمزہ ضرور ہوجاتا ہے۔ میرے سسر جی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بعد یکے بعد دیگرے دو شادیاں اور بھی کیں، مگر یہ پاک طینت صابرہ وشاکرہ خاتون ایک دن کے لیے بھی ناراض ہوکر میکے نہیں گئیں اور نہ ہی اپنے شوہر سے زندگی بھر اس بات کا شکوہ کیا، جس کی وجہ سے گھر کے ماحول میں ذرا بھی بدمزگی نہ ہوئی۔

شوہر کی فرماں برداری اور خدمت گزاری میں اپنی مثال آپ تھیں۔ اگر شوہر نے کسی بات سے منع کردیا تو دوسروں کے لاکھ اکسانے کے باوجود وہ کام نہ کرتیں۔

ان کے نزدیک تعمیل حکم کے لیے شوہر کی موجودگی اور عدم موجودگی دونوں برابر تھیں۔

استاذ جی مزاجاً، طبعاً قدرے سخت گیر تھے، بسا اوقات ویسے بھی ڈانٹ دیا کرتے تو مقابلے میں زبان درازی تو درکنار اپنی صفائی میں بھی لب کشائی نہ کرتیں، قصور نہ ہونے کے باوجود خاموشی سے ڈانٹ سن لیتیں۔

دھان پان سے منحنی وجود کی مالکہ تھیں۔ اسی وجہ سے بڑھاپے اور بیماریوں کے باوجود اپنے دینی و دنیوی معمولات اور معاملات بحسن وخوبی سرانجام دیتی رہیں۔

اہلیہ بتلا رہی تھیں کہ اپنے آخری رمضان میں اٹھاسی سال عمر ہونے کے باوجود معمولات وہی رہے جو سالہا سال سے جاری تھے۔ یعنی روزے کے ساتھ ساتھ یومیہ دس پاروں کی تلاوت اور باجماعت تراویح کی پابندی رہی۔ منع کرنے کے باوجود شوال کے چھے روزے بھی رکھے۔

وفات والے روز بھی کوئی نماز قضا نہ ہوئی۔ اعمال سے بھرپور زندگی نے ان کو موت کی سختی سے محفوظ رکھا، اور جب غسل دے کر کفن پہنایا تو چہرے کی چمک ودمک سے لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ بوڑھی خاتون ہیں، بلکہ نوعمر دوشیزہ کی طرح چہرہ پھول کی مانند کھلا ہوا تھا۔

ایسی نیک فطرت نیک خو ماں کی جدائی کا غم بھی ہے اور اس بات پر اطمینان بھی کہ وہ مہربان رب کی بہشتوں میں رب کی مہمان نوازی سے لطف اندوز ہورہی ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ مرحومہ کی قبر کو جنت کا باغ بنادے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆

اشرف الکتاب

عفت مظہر۔اسلام آباد

ایک مقولہ ہے کہ کسی چیز کے زیادہ نام اس کی عظمت اور بزرگی کو ظاہر کرتے ہیں۔اسماء الحسنیٰ (اللہ کے پاک نام) اور اسماء النبی کی طرح قرآن پاک کے بھی کئی نام ہیں جو قرآن اور احادیث میں بیان کیے گئے ہیں، البتہ ان ناموں کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض علماء نے ۳۲ بتائیں ہیں، بعض نے ۵۵ شمار کیے ہیں۔

قرآن پاک کو اشرف الکتاب کا شرف حاصل ہے۔یہ کتابوں میں سے سب سے زیادہ اور بار بار پڑھی جانے والی کتاب ہے۔کچھ انبیاء پر صحیفے نازل ہوئے۔تین اوالعزم انبیاء کرام پر تین کتب تورات، زبور، انجیل نازل ہوئیں، لیکن سب سے اکمل اور افضل و اشرف ہونے کا اعزاز قرآن پاک کو ملا۔

قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے تمام زبانوں پر عربی زبان کو فوقیت دی۔عربی کا مطلب ہے وسیع اور سمجھ میں آنے والا۔یہی قرآن کی زبان ہے، یہی جنت کی زبان ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ختم نبوت کا تاج پہنا کر تمام پیغمبروں پر فضیلت عطا کی۔اس طرح یہ کتاب اشرف الرسول پر نازل ہوئی۔اسی طرح ساری زمین اللہ کی بنائی ہوئی ہے لیکن مکہ مکرمہ کو فوقیت دی گئی اور اشرف جگہ قرار دیا اور قرآن پاک کو زمین کے اس مبارک اور اشرف خطے میں نازل کیا گیا۔

سارے مہینوں کا موجد اللہ تعالیٰ ہے لیکن رمضان کو مہینوں کا سردار اور اللہ کا مہینہ قرار دے کر اشرف بنایا گیا اور اس مقدس ماہ میں انسانوں کی ہدایت کے لیے یہ عظیم کتاب نازل کی گئی۔

ساری امتیں اللہ کی پیدا کردہ ہیں۔اِن تمام امتوں میں سب سے اشرف امت جسے امت وسط اور خیر امت کہا گیا امتِ محمدیہ ہے۔قرآن کریم اس اشرف امت پر نازل کیا گیا۔

ساری راتیں معتبر ہیں لیکن جس رات قرآن کا نزول ہوا وہ اشرف ترین رات قرار دی گئی جسے لیلۃ القدر کا نام دیا گیا۔

اور یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک کے پڑھنے اور پڑھانے والے اللہ کے بندوں میں اشرف ترین بندے قرار پائے۔

حدیث: ”تم میں سے بہترین بندے وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔“

☆☆☆

آپ ایک ماں ہیں!

فاطمہ زبیر۔کراچی

ہم اپنے آس پاس اکثر خواتین کو یہ کہتے ہوئے سنتے ہیں کہ یوں محسوس ہوتا ہے بچوں کی پیدائش کے بعد میں ختم ہوگئی ہوں۔کمر میں درد رہتا ہے، تھکاوٹ محسوس ہوتی ہے،

اس کی وجہ کیا ہے؟

اس کی بڑی وجہ اپنا خیال نہ رکھنا ہے، ڈیلیوری پیچیدگیوں سے بھرپور ہو یا آسان ہو۔جسم کو شدید تکلیف اور مشقت سے نمٹنا پڑتا ہے۔مائیں اس عمل میں نڈھال ہو جاتی ہیں۔اس کے نتیجے میں ماں کی صحت کی بحالی کے لیے مناسب دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے۔

میرا یہ مشاہدہ رہا ہے کہ ہمارے پاکستان میں بہت سارے گھرانے ایسے ہیں جہاں ڈیلیوری کے بعد لڑکیوں کو ہتھیلی کا چھالہ بنا کے رکھا جاتا ہے۔آس پاس دیکھ بھال کرنے والے موجود ہوتے ہیں۔اگرچہ دوسری طرح کے رویے بھی موجود ہیں لیکن کم کم۔خیر اگر دورانِ حمل اور زچگی کے بعد کوئی خیال نہیں بھی رکھ رہا تو اپنا خیال خود رکھیں۔اپنی صحت کو، ذات کو اپنے بچے کی اچھی پرورش، اچھی تربیت کے لیے ترجیح دیں۔خود اٹھ کے اپنے لیے جوس بنالیں، سوپ بنالیں۔کسی کی طرف دیکھیں ہی نہیں، نہ امید لگائیں۔

خود پہ توجہ دیجیے۔آپ کا جسم آپ کو خود بتا رہا ہوتا ہے کہ آپ کو ابھی آرام کی ضرورت ہے۔اور خصوصاً وہ خواتین جن کے بچے سرجری کے عمل سے پیدا ہوتے ہیں۔انھیں تو ڈاکٹر بھی ہدایت کرتے ہیں کہ سرجری کے بعد چار سے آٹھ ہفتے لگیں گے کہ جب آپ اس قابل ہوجائیں گی کہ معمول کی سرگرمیاں دوبارہ انجام دینے لگیں۔

ہمارے پاکستان سے جو لڑکیاں باہر کے ممالک میں مقیم ہوتی ہیں اکیلے پن کی وجہ سے انھیں عموماً آرام نہیں مل پاتا تو وہ لاچار اٹھ کھڑی ہوتی ہیں۔یہ عمومی بات ہے وہاں۔اس دوران میں شوہر کا کردار سب سے اہم ہوتا ہے۔شوہر کو چاہیے کہ وہ بیوی کے آرام اور خوراک کا خیال رکھیں تا کہ صحت کے مسائل پیدا نہ ہوں۔اس کے ساتھ ہر ماں یہ یاد کرلے کہ وہ اپنے آپ کو تھکائے گی نہیں، نہ ہی اپنے اوپر کسی قسم کا کوئی بوجھ ذمے داری ڈالے گی، آپ کی صحت کے لیے سب سے بہترین آرام کرنا ہے۔اس کے بعد اچھا غذائیت سے بھرپور کھانا ہے۔اپنا بہت خیال رکھیں کہ آپ ایک ماں ہیں۔دنیا والوں کے لیے خواہ ایک عام خاتون لیکن اپنے بچوں کے لیے ان کی کل کائنات!

☆☆☆

ابوالحسن۔ سینٹرل جیل، کراچی

ہم پر جو گزری

یہ دنیا واقعی اتنی خوب صورت ہے یا مجھے لگنے لگی ہے؟ کچھ بھی ہو جب دل کی چاہت مل جائے تو زندگی کیوں نہ خوب صورت لگے؟ جب سے فرقان سے میرا نکاح ہوا ہے میرے پاؤں زمین پر نہیں ٹکتے۔ آپ کہیں گے یہ عام سی بات ہے! رشتے اور نکاح ہوتے ہی رہتے ہیں۔ جی جناب! بالکل ہوتے رہتے ہیں لیکن میرا معاملہ عام سی بات ہرگز نہیں۔

میری ممانی مجھے کبھی بھی بہو بنانے پر تیار نہ ہوتیں۔ اُن کا بیٹا فرقان تعلیم یافتہ، برسرِ روزگار، شہری بابو اور میں اَن پڑھ گنوار دیہاتی لڑکی لیکن جوڑے تو آسمانوں پر بنتے ہیں اور دعاؤں سے تو نصیب بدل جاتے ہیں۔ اللہ رب العزت میرے ماموں کو سلامت رکھیں انھوں نے میرے ابو کو دی گئی زبان کا پاس رکھا اور ممانی کی پرزور مخالفت کے باوجود مجھے بہو بنا کر ہی دم لیا۔

فرقان کی صورت میں زندگی اپنی حسین ترین شکل میں میرے سامنے ہے۔ ممانی نے مجھے دل سے بطور بہو قبول نہیں کیا، یہ ان کے رویے سے صاف ظاہر ہے لیکن مجھے اس کی پروا نہیں۔ میرے لیے فرقان کا ساتھ ہی کافی ہے۔ جب وہ کام پر جاتا ہے میں اس کے انتظار میں سارا وقت جلے پاؤں کی بلی بنی رہتی ہوں۔ وہ واپس آجائے تو لگتا ہے بہار آگئی، لیکن اچھا وقت بھی سدا نہیں رہتا۔ لوگوں کی بدخواہی زندگی میں زہر گھول ہی دیتی ہے۔ ممانی کو آخر مجھ سے مسئلہ کیا ہے؟ میں اپنی استطاعت کے مطابق ان کی خدمت و اطاعت کرتی ہوں۔ شوہر کے سارے کام اچھی طرح کرتی ہوں۔ گھر کے دیگر کاموں میں بھی حصہ لیتی ہوں۔ انھیں شاید لگتا ہے کہ میں ان کے بیٹے پر قبضہ کرلوں گی۔ فرقان یوں تو مجھ سے خوش ہیں لیکن وہ مجھے بار بار کہتے ہیں کہ ماں جی کو راضی رکھو۔ جب بات ان کی آئے تو وہ مجھے ہی غلط سمجھتے ہیں۔

ممانی کو میرا فرقان کے ساتھ کمرے میں دن کے وقت اکیلا ہونا، سخت ناپسند ہے اور اگر کبھی ایسا ہو جائے تو گھر میں فوراً کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے اور ہمیں باہر آنا پڑتا ہے۔ انھیں فرقان کا میرے لیے کوئی بھی چیز لانا پسند نہیں حتیٰ کہ میری ضرورت کی اشیا بھی۔ یہ چیزیں مجھے گھر کے ماہانہ سودے کی فہرست میں لکھوانا پڑتی ہیں۔ وہ مجھے پردے کا اہتمام کرنے کو تو کہتی ہیں، لیکن گھر میں نامحرموں کا داخلہ روکنا اور شرعی پردے کا ماحول بنانا کس کی ذمے داری ہے؟

میں اپنی حد تک تو پردے کا خیال رکھتی ہوں۔ بس ان کو بہانہ چاہیے مجھے غلط ثابت کرنے کا۔ یا اللہ! کیا کروں؟ کیسے راضی کروں انھیں؟ فرقان کی ناراضی کے تصور ہی سے ہی میری جان جاتی ہے۔

☆......☆

ابا جی کو نجانے کیا سوجھی کہ اچانک اپنی بھانجی سے میرا رشتہ طے کردیا اور اماں کی مخالفت کے باوجود شادی کرا کر ہی دم لیا۔ مجھے اس رشتے پر اعتراض تو نہیں پر ماں جی کی خوشی بھی تو ضروری ہے۔ میں نے تو ابا جی کو منع بھی کیا تھا مگر وہ نہ مانے۔ ابا جی نے محنت اور تنگ دستی کے ساتھ وقت گزار کر ہم چار بھائی بہنوں کو پالا اور تعلیم دلائی ہے۔ یہ چھوٹا سا گھر ہی ان کا اثاثہ ہے۔ میں ان کا بڑا بیٹا ہوں، بڑی بہن کی شادی ہوچکی ہے۔ چھوٹا بھائی اور بہن ابھی پڑھ رہے ہیں۔ فرزانہ مجھے بہت چاہتی ہے۔ چاہے جانے کا احساس بھی کتنی خوب صورت شے ہے مگر ماں جی کی فرزانہ سے بالکل نہیں بنتی۔ میں فرزانہ کو سمجھاتا تو ہوں اور وہ کوشش کرتی بھی ہے لیکن ان دونوں کا ایک ساتھ گزارا مجھے مشکل لگتا ہے۔ ماں جی کا فہم دین ریڈیو پر قرآن مجید کی تلاوت و ترجمہ سننے کی حد تک محدود ہے۔ وہ اولاد کی تربیت کے لیے ان پر کڑی نظر رکھنے کی قائل ہیں۔ انھیں لگتا ہے فرزانہ ان کے بنائے ہوئے ماحول کو خراب کرنا چاہتی ہے۔

☆......☆

ہمارے بچے جوان ہوگئے لیکن اولاد کے رشتوں کے لیے میری مرضی کی کوئی اہمیت نہیں۔ میاں جی اپنی مرضی سے فیصلہ کرتے ہیں۔ یہ لڑکی مجھے کسی قیمت پر قبول نہیں۔ اسے دین کا پتا ہے نہ دنیا کا، مارے باندھے نماز پڑھ لیتی ہے۔ پردے کا صحیح اہتمام نہیں کرتی۔ اس کا بس چلے تو دن رات میاں کے ساتھ کمرے ہی میں گھسی رہے۔ گھر میں جوان بیٹی رہتی ہے، میں اس لڑکی کو اپنے گھر کا ماحول تباہ نہیں کرنے دوں گی۔ اسے اس گھر سے جانا ہی ہوگا۔

☆......☆

اب میں اس گھر میں کبھی واپس نہیں جاؤں گی۔ میری امی بھی میرے ساتھ ہونے والا سلوک دیکھ آئی ہیں، تبھی وہ مجھے ساتھ لے آئیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک پیارا سا بیٹا دیا ہے۔ اس کی پیدائش پر بھی میرے سسرال والوں کا دل نہ پسیجا، کوئی بھی دیکھنے نہیں آیا۔ اب تو خاندان بھر میں چہ مگوئیاں شروع ہوگئی ہیں اور ممانی کو بھی بدنامی کا احساس ہونے لگا ہے۔ میری اور بچے کی فکر تو کسی کو نہیں، اپنی بدنامی کا خیال ہی آرہا ہوگا۔

☆......☆

میں تو چکی کے دو پاٹوں کے بیچ پھنس گیا ہوں۔ فرزانہ کو سمجھا پاتا ہوں نہ ماں جی کو۔ روز روز کے جھگڑوں سے ایسا تنگ ہوں کہ دل چاہتا ہے گھر ہی چھوڑ جاؤں۔ اچھا تھا کہ فرزانہ میکے رہے لیکن ماں جی پھر فرزانہ کو منا کر لانے پر تل گئی تھیں کہ خاندان بھر میں بدنامی ہو رہی ہے، اور بالآخر وہ اسے لے ہی آئی ہیں لیکن چند ہی دنوں میں ایک بار پھر وہی چک چک شروع ہوچکی ہے، اس مصیبت کے گھر میں بس میرا پیارا منا ہی ہے جسے دیکھ کر ساری پریشانی بھول جاتی ہے۔

☆......☆

فرقان اتنا سنگ دل کیسے ہوسکتا ہے؟ وہ دوسرے بیٹے کی ولادت پر بھی نہیں آیا۔ یہ بچہ بھی میرے میکے ہی میں ہوا اور اپنے باپ کے لمس سے ابھی تک محروم ہے۔ فرقان گھر چھوڑ گیا تو میں وہاں کیا کرتی؟ اسی کو دیکھ دیکھ کے جیتی تھی اور اسی کے سہارے سب تکلیف برداشت کرتی تھی۔ اب وہ کہتا ہے کہ میں سدھر جاؤں ورنہ وہ طلاق دے دے گا۔ یعنی ساری غلطی میری ہے؟ اس کے بغیر جینے کا تصور ہی دل کو دہلاتا ہے لیکن وہ مجھے غلط سمجھتا ہے تو کیسے سمجھاؤں؟ ٹھیک ہے طلاق دینی ہے تو دے دے، اس کی مرضی!

☆......☆

مجھے تو امید تھی کہ وہ طلاق کا لفظ سنتے ہی لرز جائے گی اور مجھے ضرور روکے گی لیکن وہ تو خاموش رہی۔ خیر میں نے طلاق رجعی دی ہے اگر سدھر جائے تو ٹھیک ورنہ دوسری دوں گا۔

☆......☆

اب میں اس کی بیوی نہیں رہی!

یا اللہ! یہ دن بھی دیکھنا تھا۔ کہتے ہیں محبت یکطرفہ نہیں ہوتی لیکن میرے معاملے میں ایسا کیوں نہ ہوا؟ اب تو اس نے دو طلاقیں دے دیں۔ میں بھی ہمیشہ یونہی رہوں گی اپنے بچوں کے ساتھ، فرقان نہیں تو کوئی نہیں!

☆......☆

میرا بیٹا چھے سال بعد گھر آیا ہے، اس کی دوسری بیوی بھی پہلی جیسی ہے۔ اس طرح کی ساری لڑکیاں میرا ہی مقدر کیوں ہیں؟ یا یہ رہے گی اس گھر میں یا میں!

☆......☆

سلیمہ کی باری میں وہ غلطی نہیں دہراؤں گا جو فرزانہ کی باری کی۔ یا حیرت! ماں جی کو سلیمہ سے وہی شکایات ہیں جو فرزانہ سے تھیں۔ تو سارا جہان ہی غلط ہے کیا؟ اور فرزانہ کا تو دعویٰ تھا کہ اسے مجھ سے محبت ہے، پھر اس نے مجھے طلاق سے کیوں نہ روکا؟ اور میرے جانے کے بعد کبھی واپس آنے کی کوشش کیوں نہ کی؟ سلیمہ مجھے قصوروار قرار دیتی ہے کہ تم نے اس کا موقف سمجھے بغیر طلاق دے دی تو وہ واپس کیسے آتی؟ باجی نے مجھے ایک بار بتایا تھا کہ فرزانہ نے ایک بار میرے لیے پیغام دیا تھا، پھر ان کو خیال آیا کہ یہ پیغام مجھے نہیں بتانا چاہیے تو انہوں نے بات ٹال دی، میں نے کئی بار پوچھا لیکن انھوں نے نہ بتایا۔

☆......☆

اب تو لگتا ہے چل چلاؤ کا وقت ہے۔ یا اللہ! مجھے معاف کر دینا میں اچھی بیوی بنی نہ اچھی ماں اور نہ اچھی بہو۔ شاید سارا قصور میرا ہی تھا۔ بس میرے اللہ مجھے معاف کر دینا اور میرے بچوں کو اپنی پناہ میں رکھنا۔

☆......☆

بعض غم بیان نہیں کیے جاسکتے بس محسوس ہی کیے جاسکتے ہیں۔ فرزانہ کی بے وقت موت کی خبر کیا کم تھی کہ یہ پہاڑ بھی مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ کاش یہ بات مجھے اس کی زندگی ہی میں پتا چل جاتی۔ آج باجی نے میرے بے حد اصرار پر بتایا کہ فرزانہ میرے گھر چھوڑنے کے عرصے میں ایک بار گھر واپس آئی تھی کہ وہ اپنا گھر دوبارہ بسانا چاہتی ہے لیکن یہاں کسی نے اسے قبول نہ کیا۔ باجی کو اس نے میرے بارے میں پیغام دیا تھا۔ یہی وہ پیغام ہے جو میرے دماغ کی چولیں ہلائے دیتا ہے۔ اس نے باجی سے کہا تھا:

’’اسے کہیں، ایک بار گاؤں آجائے، میں اس سے کوئی شکوہ نہیں کروں گی بس ایک نظر دور سے اسے دیکھنا ہے۔‘‘

☆☆☆

جبین چیمہ

۱۹

اور میں اپنے وعدے پر پورا اتروں گا!

اور اگلا دن اُن کی زندگی کا ایک عجیب دن تھا۔ وہ سرنگوں کے اس ایمان افروز شہر سے جس پر خدا کا ہاتھ تھا اور اس کی خاص رحمتیں سایہ فگن تھیں باہر نکلے تو کافی اندھیرا تھا۔

قاسم موٹر سائیکل پر انھیں لے کر اونچے نیچے راستے سے ایسے جا رہا تھا جیسے وہ کوئی کرتب دکھا رہا ہو۔ ایک ٹیلے سے موٹر سائیکل ہوا میں اچھلتی اور دوسرے ٹیلے پر آ گرتی۔ تبھی اچانک اسے کچھ خطرے کا احساس ہوا۔ اس نے کچھ دور موجود کچھ جھاڑیوں کی اوٹ میں موٹر سائیکل روکی۔ حلیمہ اور محمد کو خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے انھیں ایک چھوٹے سے جوہڑ میں لٹا کر اچھی طرح گیلی مٹی سے لیپ دیا، پھر وہ موٹر سائیکل اڑاتا ہوا کسی طرف نکل گیا۔

وہ کچھ دور ہی گیا تھا جب اسے اسرائیلیوں کے ٹینک اور جیپیں آتی نظر آگئیں۔

اس کے ساتھی یقیناً ہوشیار تھے۔ اس نے موٹر سائیکل ایک ٹیلے کے درمیان کھڑی کی اور ٹینکوں اور جیپوں کے اس قافلے سے کچھ فاصلے پر کھیت میں لیٹے ہی لیٹے آگے بڑھنے لگا۔

کھیت کانٹے دار جھاڑیوں سے اٹا پڑا تھا۔ مگر وہ اس پرخار راستے پر آرام سے آگے بڑھ رہا تھا۔

اور پھر اس قافلے کے قریب پہنچتے ہی اس کے سگنل دینے پر مختلف سمتوں سے میزائلوں کی بارش ہونے لگی۔ چند مجاہدین ہاتھوں میں بارود لیے آناً فاناً ان کی طرف بڑھے۔ انھیں ان ٹینکوں میں رکھا جو ناقابل تسخیر سمجھے جاتے تھے، اور لمحوں میں غائب ہو گئے۔ اس سے پہلے کہ صیہونی فوجی سنبھلتے۔ پوری فضا دھماکوں سے اور پھر اللہ اکبر کی آوازوں سے گونجنے لگا۔

قاسم جب اس معرکے سے واپس آیا تو سورج نکلنے والا تھا۔ اب وہ پھر حلیمہ اور محمد کے ساتھ غزہ کی طرف بڑھ رہا تھا جو کھنڈرات کا ڈھیر بن چکا تھا۔ قاسم کے آنے تک وہ کیچڑ والا لباس اتار چکے تھے۔ اور عام کپڑوں میں آ چکے تھے مگر ان کے سر اور منہ پر ابھی تک مٹی کے نشان باقی تھے۔

مٹی کے گڑھے انھیں ہر تھوڑی دیر کے بعد مل جاتے تھے۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ یہ مجاہدین کی وہ دفاعی لائن ہے جو دشمن کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔

ان کے شہر کے آثار شروع ہو گئے تھے۔ حلیمہ کا دل چاہ رہا تھا۔ وہ یہاں موٹر سائیکل سے اتر جائے اور ننھی بچی کی طرح گلیوں میں بھاگتی جائے اور اپنے گھر کے دروازے میں بانہیں وا کیے اپنی منتظر ماں کے سینے میں چھپ جائے اور پھر وہیں آنکھیں موند کے اپنی زندگی تمام کر دے۔

وہ کھنڈر عمارتوں کے سایے میں بچتے بچاتے آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ جب انھوں نے ایک تھوڑی سی کھلی جگہ پر ایک صیہونی جیپ کھڑی دیکھی۔

قاسم نے حلیمہ اور محمد کو ایک جگہ رکنے کا اشارہ کیا اور خود دبے پاؤں آگے بڑھنے لگا۔ اس کی رائفل اس کے کپڑوں میں چھپی ہوئی تھی۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اور بھی جیپیں کھڑی تھیں اور وہ کھنڈر عمارتوں میں جن کے نیچے فلسطینی مظلوم مسلمان عورتوں ننھے بچوں اور بوڑھوں کے جسم دبے ہوئے تھے۔ ان سرنگوں کا سراغ لگاتے پھرتے تھے جس میں ان کے لیے موت چھپی ہوئی تھی۔

قاسم نے چند لمحوں کے لیے اردگرد گری ہوئی عمارتوں کا جائزہ لیا۔ اچانک اس کی نظر آگے کی طرف جاتے ایک شیطان پر پڑی۔ وہ دبے پاؤں اس سے فاصلہ رکھ کے اس کے پیچھے چلنے لگا۔ جونہی وہ ایک ملبے کا ڈھیر بنی ہوئی عمارت میں داخل ہوا۔ قاسم ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر اس عمارت میں بارود رکھ کر سامنے والی ایک عمارت کی ٹوٹی ہوئی کھڑکی میں چڑھ کر بیٹھ گیا۔

اس عمارت میں بہت سے صیہونی آ جا رہے تھے۔ وہ سب موت کے خوف سے اکٹھا رہنا چاہتے تھے۔ قاسم کے اندازے کے مطابق وہ تیس کے قریب تھے۔ جونہی وہ سب اس بارود کے قریب پہنچے جو قاسم نے اُدھر بکھری ہوئی چیزوں کے درمیان رکھ دیا تھا، تو قاسم نے ٹائم بم چلانے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگایا۔ وہ جوان گنت تھے وہ لمحوں ہی میں جہنم کا ایندھن بن گئے۔

اتنے سارے صیہونیوں کو جہنم واصل کرنے کی خوشی میں سرشار قاسم ابھی باہر نکلنے کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے سامنے کھڑے جیپوں میں عجیب نظارہ دیکھا۔

جیپوں میں موجود چند فوجی آنکھیں ملتے ہوئے باہر نکلے۔ شاید وہ جیپوں میں ہی سوئے ہوئے تھے۔ انھوں نے چند لمحے اردگرد دیکھا اور پھر ایک دوسرے پر ہی فائر کھول دیا۔

''ہیں یہ کیا؟'' قاسم حیرت سے غوطے کھانے لگا۔ ''یہ آپس میں ہی ایک دوسرے کو کیوں مار رہے ہیں؟''

لمحوں میں ہی سڑک پر مسلمان بچوں کے پاکیزہ خون کے ساتھ صیہونیوں کا ناپاک خون بھی بہنے لگا۔

قاسم حیرت زدہ سا باہر نکلا۔ باہر جیپوں کے درمیان ایک خوف زدہ صیہونی سپاہی بیٹھا ہوا تھا۔ قاسم نے اسے جا لیا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو۔'' قاسم نے اسے سر کے بالوں سے پکڑ کے کھڑا کیا۔

''کیا تم نے کچھ دیکھا۔ انھوں نے ہمارے ٹینکوں کو تباہ کر دیا ہے۔ وہ ہم سب کو مار دیں گے۔ وہ انسان نہیں وہ کوئی اور مخلوق ہیں۔ ہم ان کے ساتھ زمینی لڑائی کبھی نہیں لڑ سکتے۔ ہم نے زمین کے اوپر بسنے والے سارے فلسطینیوں کو اجاڑ دیا ہے۔ ہم نے ان کے گھر گرا دیے۔ پانی، بجلی اور گیس بند کر دی۔ ہم نے ان کا اناج بند کر دیا۔ ہم نے ان کے ہزاروں بچوں کو یا تو مار دیا یا اپاہج کر دیا مگر وہ پھر بھی یہیں کہیں ہیں۔ وہ ہمیں نظر نہیں آتے۔''

وہ ایک ہی سانس میں گھٹی ہوئی آواز میں بولتا جا رہا تھا۔

اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اور وہ خوف سے بے ہوش ہونے کے قریب تھا۔

قاسم نے القسام بریگیڈ کو مخصوص سگنل دیا۔ آن کی آن میں کچھ لوگ نمودار ہوئے۔ انھوں نے جیپوں کے اندر سے کھانے پینے کی اشیا اور باقی چیزیں نکالیں۔ تھر تھر کانپتے بچوں کے قاتل کو باندھ کے ساتھ لیا اور غائب ہو گئے۔ کئی گھنٹوں کے بعد قاسم جب واپس حلیمہ اور محمد کے پاس پہنچا تو حلیمہ اجڑے ہوئے کسی گھر سے ایک دیگچی اور قہوہ بنانے کا سامان ڈھونڈ لائی تھی مگر پانی تو تھا نہیں کیسے قہوہ بنتا۔

''محمد!'' قاسم نے محمد کو پکارا تو وہ دونوں اپنی پناہ گاہ سے باہر نکل آئے۔ حلیمہ اور محمد قاسم کو زندہ دیکھ کر سجدۂ شکر بجا لائے۔

"بہت زوردار دھماکہ تھا۔ قاسم ماموں! شکر ہے آپ خیریت سے ہیں۔" محمد بولا۔

"ہاں اللہ کا شکر ہے، آج کم از کم ان کے پچاس فوجی جہنم واصل ہوئے ہیں، یہ لو ایپل پائی، کھاؤ، مالِ غنیمت ہے یہ، یہ سیب اور پانی اور یہ خبز۔"

قاسم نے مالِ غنیمت میں سے ملا ہوا سامان اُن کے آگے رکھ دیا۔

"ٹھہرو! میں پہلے چائے بناتی ہوں۔" حلیمہ بولی۔

"مگر چائے پئیں گے کیسے؟ کپ تو ہے ہی نہیں۔" محمد بولا۔

"جو رب چائے کا بندوبست کر رہا ہے۔ وہ کپ بھی ضرور دے گا۔ تم ارد گرد نظر دوڑاؤ۔ کوئی گلاس، کوئی پیالہ، کوئی کپ کچھ نہ کچھ تو ملے گا ہی ناں، آخر یہ آباد بستی تھی جسے شیطان ابلیس کی دھتکاری ہوئی اولاد نے تہس نہس کر دیا۔"

"اختی حلیمہ آپ چائے بنائیں۔ میں ذرا سا گری ہوئی عمارت کے اوپر چڑھ کر دیکھتا ہوں کہ کیا حالات ہیں؟" قاسم یہ کہہ کر چل دیا۔

کچھ دیر کے بعد محمد کہیں سے دو چھوٹے قہوے والے گلاس ڈھونڈ لایا۔

حلیمہ نے لکڑیاں جمع کر کے آگ جلائی، اور چائے تیار کر کے قاسم کو آوازیں دینے لگی۔

"میں ابھی آیا۔" وہ نیچے اترنے کا ارادہ کر رہا تھا جب اس نے کچھ فاصلے پر تین صہیونیوں کو کھڑے پایا۔

"قاسم! چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔" حلیمہ نے پھر پکارا۔

اختی! بس یہ آخری کام کر لوں۔"

اس نے کھڑکی میں سے رائفل کی نال باہر نکالی۔

رائفل نے بغیر آواز پیدا کیے تین شعلے اگلے اور وہ تینوں وہیں ڈھیر ہو گئے۔

"لاؤ بھئی اب چائے دو۔" وہ اوپر سے اس جگہ آ گیا جہاں حلیمہ اور محمد بیٹھے تھے۔

چائے پیتے ہی انھوں نے وہ جگہ چھوڑ دی۔

اور پھر اسی رات وہ اس ملبے کا ڈھیر بنے گھر کے باہر کھڑے تھے جس کے نیچے ابھی تک ان کی ماں کا جسد خاکی پڑا ہوا تھا۔ نجانے کتنے زندہ لوگ ان عمارتوں کے نیچے دبے سسک سسک کر مرے ہوں گے۔

قاسم حلیمہ اور محمد بے اختیار رونے لگے۔

"اماں! میں آپ سے ملنے آئی ہوں۔"

حلیمہ اپنی ماں کو آوازیں دینے لگی۔

مگر تب ہی گڑگڑاہٹ کی آواز سے اوپر سے آگ برسنے لگی۔

بزدل دشمن جو نیچے آ کر ہزیمت اٹھا رہا تھا۔ اس کے لیے مردوں کی طرح لڑنا بہت مشکل تھا۔ بلکہ ناممکن تھا۔ اس کے لیے جہازوں کے ذریعے بارود پھینکنا بہت آسان تھا۔

(جاری ہے)

☆☆☆

آصفہ عنبرین قاضی

نفع کا سودا

چڑیاں بھی تو اپنے بچوں کی خاطر تڑکے اپنے گھونسلے چھوڑ کر نکلتی ہیں، جب واپس آتی ہیں تو اُن کی ننھی سی چونچ میں بچوں کے لیے غذا ہوتی ہے، جس دن نہ ہوں گلابی سروں والے بچے چوں چوں کر کے پیڑ سر پر اٹھائے رکھتے ہیں کہ بھوک بڑی ظالم شے ہے، آنتیں خالی ہوں تو چین کہاں۔

یہی پیٹ انسان کو بھی صبح سویرے اٹھا کر لے جاتا ہے۔ کچھ کی آمدن لگی بندھی ہے اور مہینے کے آخر میں مل جاتی ہے، کچھ کو رزق تلاش کرنا پڑتا ہے، کبھی ملتا ہے کبھی نہیں۔

روزانہ سڑک کنارے پینٹ برش، رنگ و روغن کے ڈبے اور اوزار لیے مزدوری کی آس میں بیٹھے دیہاڑی دار مزدوروں کو دیکھتی ہوں۔ صبح کے وقت پچاس ہوں تو واپسی پر بھی نصف سے زیادہ موجود ہوتے ہیں۔ سہ پہر کو بھی انھیں موہوم سی امید ہوتی ہے کہ کوئی کام مل جائے گا لیکن یہ امید کئی بار ٹوٹتی ہے۔

اور وہ تیز دھوپ میں برف کی سل بیچنے والا۔ ہر پگھلتے قطرے کے ساتھ اس کا دل بھی گھلتا جاتا ہے کہ گاہک نہ آیا تو اس کی لاگت پانی ہو جائے گی۔ پھل بھی گلنے سڑنے میں دو دن لیتا ہے، لیکن برف تو چند گھنٹوں میں بہہ جاتی ہے، لیکن بیچنے والا رزق کے لیے پھر بھی رسک لیتا ہے کبھی گھاٹا تو کبھی نفع، کبھی فاقہ تو کبھی کھانا۔ یہ تو گھونسلے والوں کا نصیب ہے۔

کبھی آپ رزق کی تنگی سے یا حالات سے گھبرا جائیں تو بطور خاص بازار جا کر کسی چوک میں دیہاڑی کے منتظر مٹی سے اَٹے مزدوروں کو دیکھ آیا کریں۔

روغن کا ڈبہ سامنے رکھ کر بیٹھے کسی ادھیڑ عمر مزدور سے پوچھیں کہ آخری دیہاڑی کب لگی تھی؟ پھر حساب لگائیں کہ آپ کی زندگی کتنوں سے بہتر ہے؟

اگر حساب میں آپ کی زندگی واقعی اُن سے بہتر نکلے تو کسی ایک مزدور کو قریبی ہوٹل سے کھانا کھلا دیں بلکہ اس کے بچوں کے لیے بھی لے کر دے دیں۔ قطار میں بیٹھے سب سے بوڑھے مزدور کو چپکے سے ایک دن کی مزدوری تھما دیں کہ آج وقت پر گھر چلے جائیں، پھر دیکھیے رزق اور سکون قلب کے دروازے کیسے کھلتے ہیں۔ کئی گنا بڑھا کر لوٹانے والے رازق سے تجارت کبھی گھاٹے کا سودا نہیں۔

☆☆☆

راؤفضہ ظفر۔ راولپنڈی

تربیت کاانوکھارنگ

امی جان کی عادت تھی کہ وہ اپنے بچوں کو پانچ سال کی عمر سے پہلے اسکول میں داخل نہیں کراتی تھیں۔ بقول ان کے یہ عمر تو ماں کی گود میں کھیلنے کودنے کی ہوتی ہے۔ اسی عمر میں بچہ اچھے اور برے کی تمیز کرنا جانتا ہے۔ اس عرصے میں بچے کو اسکول میں داخل کرا دیا جائے تو اس کا ننھا ذہن خود سے سوچنے اور کھوجنے کی صلاحیت میں کم رہ جاتا ہے۔ فاطمہ کو بھی پانچ سال کی عمر تک انھوں نے گود میں ہی ہر چیز یاد کروائی۔

اسکول میں داخل کرانے کا وقت آیا تو بڑے بچوں والا اسکول ہی دل کو بھایا۔ بڑے بچے تو سکینڈری اور ہائی اسکول تک پہنچ چکے تھے۔ گھر کی تربیت کی وجہ سے بڑے بیٹی جو ہشتم کلاس میں تھی، وہ بھی ایک اتنی بڑی چادر میں اسکول جاتی جو اس کے قد سے بھی دوگنی تھی، اور فاطمہ! اس نے شاید پہلی دفعہ یوں چھوٹی چھوٹی بچیوں کو یونیفارم میں فراک کے نیچے نیکر پہنے دیکھا تھا۔ پہلے دن تو ایک دم شرم کے مارے خود ہی آنکھیں بند کر کے کلاس میں بیٹھ گئی لیکن کیا کرتی ننھے سے دماغ کے ساتھ کب تک لڑتی؟ آہستہ آہستہ اسے بھی یہ نیکر فراک والا یونیفارم دل کو بھانے لگا۔ ماں کا پڑھایا ہوا سبق کہ عورت کا جو حصہ ستر میں شامل ہو اور اسے کوئی غیر محرم دیکھے تو وہ دوزخ میں جلے گا نجانے دماغ کے کس حصے میں جا کر چھپ گیا۔ گھر واپس آتی تو سارا دن ماں کے سامنے اپنی نئی نویلی دوست زینب شاہد کی شان میں قصیدے سنا سنا کر ماں کے کان کھاتی رہتی۔ ادھر ماں جی اس خیال سے خوش تھیں کہ چلو بچی اسکول کے ماحول میں ایڈجسٹ ہوگئی ہے۔

چھٹی کا دن تھا اور ماں جی گھر کے کاموں سے فراغت پا کر مشین لے کر بیٹھ گئیں تھیں۔ فاطمہ بھی اپنا بستہ لائی اور ماں کے پاس ہی آ کر بیٹھ گئی۔ ساتھ ساتھ باتیں بھی جاری تھیں اور کپڑے بھی سل رہے تھے۔ ’’آج آپ کس کا سوٹ سی رہی ہیں امی جان؟‘‘

فاطمہ نے صاف سفید صفحے پہ آڑھی ترچھی لائنیں لگاتے ہوئے پوچھا۔ صفحہ کچھ عجیب سا ہو گیا تھا جیسے اس کی فطرت سے ہٹ کر اس پر کچھ بن گیا ہو۔

’’بیٹا! سوٹ تو نہیں سی رہی بس آپ کا ایک پاجامہ سلائی کر رہی ہوں عید والے فراک کے نیچے تاکہ ٹانگیں چھپ جائیں۔‘‘ ماں جی کا جملہ کیا مکمل ہوا فاطمہ کے دل میں دبی خواہش زبان پہ آ گئی۔ کاغذ اور پنسل کو سائیڈ پر رکھا اور ہاتھوں کو گھٹنوں پہ جما کر بولی:

’’امی جان سنیں، سنیں بات سنیں۔‘‘ یہ انوکھا انداز تھا متوجہ کرانے کا۔

’’جی جی بولیں، امی جان کے کان آپ کی طرف ہی ہیں۔‘‘

’’امی جان! آپ میرا نیا یونیفارم سلائی کر دیں اور اس کے ساتھ زینب کی طرح نیچے نیکر بھی، اتنا پیارا لگے گا۔‘‘ دونوں بازوں کو پھیلاتے ہوئے اس نے اتنا کو بڑا کر کے سمجھنا چاہا۔

’’اناللہ!‘‘ ماں جی کے منہ سے فوراً نکلا۔ انھیں سمجھ میں نہیں آیا کہ بھول کہاں ہوئی ان سے کہ بچی کا دل یوں تنگ دھڑنگ لباس پہننے کو کرنے لگا۔

ماں جی کو چپ دیکھ کر وہ دوبارہ سے پوچھنے لگی کہ آپ سی دیں گی نا؟

ادھر ماں جی کا یہ حال تھا کہ دل کی گہرائیوں کے ساتھ یہ دعا کر رہی تھیں کہ اللہ جی کوئی ایسی بات میرے منہ سے نکلوا دیجیے جو انکی بیٹی کو سمجھ آ جائے اور اس کے دل سے اس بے ہودہ لباس کی پسندیدگی نکل جائے۔

’’امی جان! بتائیں ناں، زینب شاہد ہے نا؟ وہ کہتی ہے کہ گرمیوں میں تو اسکول کا یہی یونیفارم ٹھیک رہتا ہے، گرمی بھی زیادہ نہیں لگتی۔‘‘

’’تو بیٹا! گرمی سے بچاؤ کے لیے پھر کپڑے بالکل ہی نہیں پہنتے!‘‘ وہ گڑبڑا سی گئی۔

’’نہیں نا امی! آپ نیکر سی دیں نا، پیارا بھی تو لگے گا اور ہم دونوں کا ایک جیسا بھی ہو جائے گا۔‘‘

اب ماں جی خاموشی سے اٹھیں، باورچی خانے میں گئیں اور ماچس کی ڈبی اٹھا لائیں۔ فاطمہ کو گود میں لیا اور ٹخنوں سے ذرا سی شلوار کو اوپر کرتے ہوئے بولیں۔ ٹھیک ہے میں آپ کے لیے نیکر سی دوں گی، مگر اس سے پہلے یہ چیک کر لیتے ہیں کہ آپ اس دنیا کی آگ برداشت کر سکتی ہو یا نہیں؟ اگر آپ کو درد نہ ہوا تو میں آپ کا نیکر سلائی کر دوں گی اور اگر درد ہوا تو پھر میری بیٹی دوزخ کی آگ کیسے برداشت کرے گی؟‘‘

یہ کہتے ساتھ ہی ماں جی نے ماچس جلا دی۔

ادھر فاطمہ کی نظریں صرف اور صرف جلتے لہراتے شعلے پہ ٹک گئی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی ماں کا عجیب انداز دیکھتی اور کبھی شعلے کو۔ جیسے جیسے شعلہ لہراتا، فاطمہ کو ماں کے کہے گئے جملے یاد آتے گئے۔

’’اچھی بچیاں تو کبھی سر بھی ننگا نہیں رکھتیں کہ رحمت کے فرشتے پھر پاس نہیں آتے۔ فاطمہ! آپ کو پتا ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات کے وقت کیا کہا تھا کہ میرا جنازہ بھی رات کے وقت اٹھانا کہ کوئی نامحرم جنازے کو دیکھ نہ سکے۔ فاطمہ! آپ اللہ سے دعا کیا کرو کہ وہ آپ کو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسا باحیا بنا دے۔‘‘

صاف سفید کاغذ جیسے ذہن پہ جو الجھن کی لکیریں اتنے دنوں سے چل رہی تھیں وہ آج ایک لمحے میں مٹتی جا رہی تھیں۔

’’نہیں امی جان نہیں، مجھے معاف کر دیں، یہ نیکر تو گندا ہوتا ہے۔ میں نہیں پہنوں گی، اللہ جی مجھ سے ناراض ہو جائیں گے پھر میری سوری پہ اگر اُس او کے بھی نہ کہا تو!؟‘‘

یہ کہتے ہی ننھی فاطمہ ماں جی کے سینے سے لگی دھواں دار رونا شروع ہو گئی۔ ساتھ ساتھ ماں جی کے بھی آنسو بہتے چلے جا رہے تھے۔ شاید شکر کے تھے۔

اور پھر جب یہی فاطمہ پانچویں کلاس میں پہنچی تو ایک اکیلی ننھی جان پورے آرمی اسکول کے سامنے ڈٹ گئی۔ بات یہ تھی کہ اسکول کے رولز میں تھا کہ کلاس کے دوران کوئی بچی بھی سر ڈھانپ کے نہیں بیٹھے گی، سب بچیاں وی لے کر بیٹھا کریں گی۔ اور تب ماں کا پڑھایا ہوا سبق ایسی مضبوطی سے پکڑے رکھا کہ جب پرنسپل کے سامنے حاضری ہوئی تو وہ بھی اتنی مضبوطی کے ساتھ سکارف کو گردن سے پکڑے دیکھ کر بولیں اس بچی کو کچھ مت کہیں، رولز کی خیر ہے! فالحمدللہ۔

بہنو! ماں جان کی محبتوں، شفقتوں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی اولاد کی بہترین تربیت کے لیے جس طرح انھوں نے اپنے شب و روز گزارے ان کا احاطہ میرا قلم شاید کبھی نا کر پائے۔ اللہ پاک میری والدہ محترمہ کا سایہ ایمان، صحت و تندرستی اور عافیت کے ساتھ ہم پر ہمیشہ قائم رکھے، آمین ثم آمین!

☆☆☆

جنت کی خوشبو

اُمِ محمد سلمان

باورچی خانے سے بڑی اشتہا انگیز خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔ نمرہ کافی دیر سے کھانا بنانے میں مصروف تھی۔ آج اس کی نند اپنے بچوں کے ہمراہ آ رہی تھیں اور وہ لوگ نمرہ کے ہاتھ کی بنی بریانی بہت شوق سے کھاتے تھے، اسی لیے نمرہ بڑے دل سے بریانی بنانے میں مصروف تھی۔

تھوڑی دیر میں ہی گھر ان کی سلام دعا کی آوازوں سے گونج اٹھا۔

''بھابی جان السلام علیکم۔''

''ممانی جان السلام علیکم۔''

''کیسی ہیں آپ؟''

مہمانوں کی محبت بھری چہکاریں چاروں طرف سنائی دینے لگیں۔ نمرہ بھی خوش ہو کر مہمانوں سے ملنے لگی مگر ایک چیز دیکھ کر اس کا دل بجھ گیا۔ آج پھر نند کی بیٹیاں ویسے ہی اسکن ٹائٹس پہنے ہوئے تھیں جیسے پچھلی بار، اور نمرہ نے کتنی دیر بٹھا کر پیار سے سمجھایا تھا مگر اب کی بار پھر وہی حال!

نمرہ نے سوچا کہ کھانے کے بعد پھر اس طرف توجہ دلاتی ہوں ان کی۔ خوش گوار ماحول میں کھانا کھایا گیا۔ اس کے بعد چائے کا دور چلا اور ایک بار پھر نمرہ نند کو سمجھانے بیٹھ گئی:

''دیکھیں باجی! یہ بالکل بھی مہذب پہناوا نہیں ہے، آپ اسے بچیوں کو نہ پہنایا کریں۔ چھوٹی تو نہیں ہیں ماشاءاللہ تینوں جوان ہیں۔''

''ارے بھابی! کچھ فرق نہیں پڑتا۔ ویسے بھی باہر نکلتے ہوئے تو عبایا پہنتی ہی ہیں، سب چھپ جاتا ہے۔ گھر ہی میں تو پہنتی ہیں۔ یہی تو بچیوں کی عمر ہوتی ہے شوق پورے کرنے کی، پھر پتا نہیں آگے کیسے لوگ ملیں کچھ اپنی مرضی کا پہننے دیں گے یا نہیں؟ کم از کم ماں باپ کے گھر تو اپنی خواہشیں پوری کر لیں۔ بس اسی لیے میں زیادہ روک ٹوک نہیں کرتی۔''

وہ بہت لاپروائی سے بولیں۔

نمرہ کے جی میں تو آیا تھا کہ پوچھے باجی! یہ اسکن ٹائٹ پاجامے پہن کر کون سے شوق پورے ہو رہے ہیں؟ فحاشی کے، اپنا آپ دکھانے کے؟ اپنا فگر جتانے کے؟ یہ بتانے کے کہ ہمیں کوئی پوچھنے والا نہیں، ہمارے باپ بھائی میں اتنی غیرت ہی نہیں ہے کہ وہ ہمارے غیر شرعی اور غیر مہذب پہناووں پر روک ٹوک ہی کر سکیں یا ہماری ماں نے ہمارے گھر کے مردوں کی آنکھوں پر بھی پردے ڈال رکھے ہیں کہ انھیں کچھ نظر نہیں آتا مگر ظاہر ہے اصلاح کا یہ اُسلوب نہیں تھا، سو وہ رسان سے بولی:

''لیکن باجی! آپ دیکھیں تو سہی، اس میں پورا جسم نمایاں ہو رہا ہے۔ کتنے شرم کی بات ہے۔ بچیاں باہر نہ بھی نکلیں تو گھر میں بھی تو باپ اور جوان بھائی موجود ہیں، حتیٰ کہ عورتوں کا دیکھنا بھی منع ہے، پھر یہاں بھی ماموں ہیں، بڑے ماموں کے جوان بچے بھی ہیں تو کیا اچھا لگے گا اس طرح سب کے سامنے جانا؟''

نمرہ نے بہت نپے تلے لفظوں میں سمجھانے کی کوشش کی۔

یہ رشتے ایسے ہیں کہ زیادہ کھل کر بات کرو تو معاملہ سدھرنے کی بجائے مزید بگڑنے کا خدشہ ہوتا ہے مگر انھیں نہ ماننا تھا، نہیں مانیں۔

''ارے بھابی! چھوڑو ناں کچھ اور بات کرتے ہیں۔'' انھوں نے بات ٹال دی۔

کچھ دیر بعد وہ لوگ چلی گئیں۔

بعض اوقات دین و شریعت کی پروا نہ بھی کرے انسان مگر اپنی روایات کی پروا تو کر ہی لیتا ہے مگر اس فیشن نے کیسی مت ماردی ہے کہ نہ اللہ کی ناراضی کا خوف بچا ہے نہ لوگوں کی لعن طعن کا۔ نمرہ اپنا دل جلا کر ہی رہ گئی۔

''کیوں نہ پھر ہم پر عذاب آئیں جب ہم اللہ تعالیٰ کے حکموں کو ایسے پس پشت ڈال دیتے ہیں؟ اللہ رب العزت ہم سب کو ہدایت کے راستوں پر چلا دے آمین!''

اس کے دکھی دل سے دعا نکلی۔

☆......☆

یہ کچھ دن بعد کی بات ہے جب نمرہ اپنے ہفتہ واری درس سے واپس آ رہی تھی۔ باجی کے گھر سے اپنے گھر تک ایک لمبی سڑک عبور کرنا پڑتی تھی۔ نمرہ کی نظر اپنے آگے چلتی دو خواتین پر پڑی جن میں سے ایک اسی طرح کا اسکن ٹائٹ پاجامہ پہنے ہوئے تھی۔ آدھی پنڈلیاں نظر آ رہی تھیں۔ لڑکی انتہائی خوبصورت تھی جس کی پنڈلیوں سے ہی اس کی نازکی اور خوب صورتی پتا چل رہی تھی۔ نمرہ کی آنکھیں ایک بار پھر شرم سے جھک گئیں۔ اسے لگا کہ میں سرتا پا برقع میں ملبوس ہو کر بھی اِن خواتین کے اس عمل سے آشکار ہو رہی ہوں۔ وہ تیز تیز چلتی ہوئی

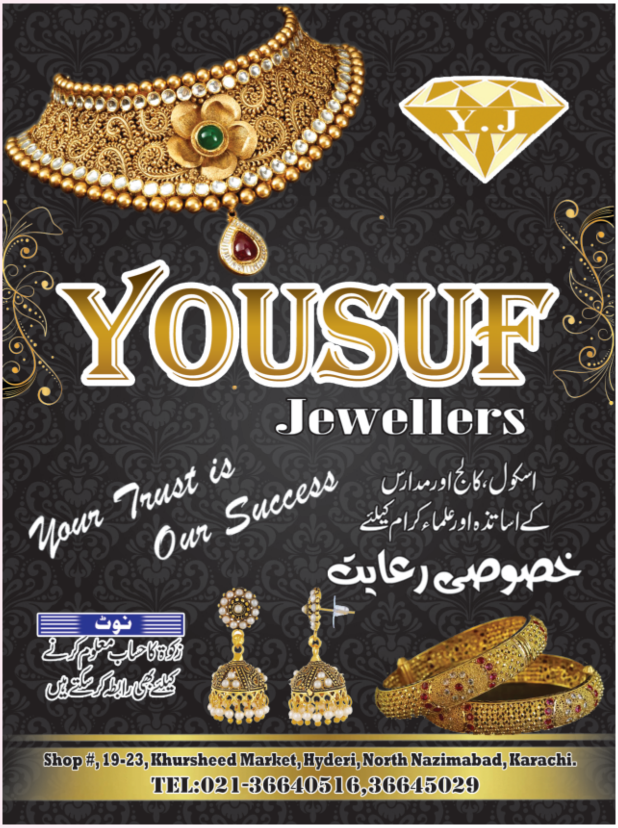

ان کے قریب پہنچ گئی اور سلام کیا۔

دونوں خواتین جو کہ نوجوان اور حسین لڑکیاں تھیں اس کی طرف متوجہ ہوئیں، سلام کا جواب دے کر سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

نمرہ نے بڑی محبت سے کہا: ”میری بہن! میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں اگر آپ برا نہ مانیں تو۔“ دونوں لڑکیاں خوش دلی سے بولیں: ”جی جی ضرور کہیے۔“

نمرہ نے بڑے درد دل سے انھیں مخاطب کیا: ”میری بہن! یہ جو آپ نے پاجامہ پہن رکھا ہے یہ بالکل مناسب نہیں۔ ٹانگوں کی ساری ساخت نمایاں ہو رہی ہے۔ اور آپ کو پتا ہی ہوگا کہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا لباس پہننے والیوں کے بارے میں فرمایا ہے جس کا مفہوم ہے کہ وہ خواتین جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکیں گی جن کے لباس باریکی اور تنگی کی وجہ سے جسم کو نمایاں کرتے ہیں، گویا کپڑے پہن کر بھی ننگی ہیں۔ (مسلم)

کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ اسے نہ پہنیں؟ دیکھیے تو اللہ تعالیٰ نے کتنا حسن بخشا ہے آپ کو، تو لازم ہے کہ اس رب العالمین کا شکر ادا کریں اور اپنے اِس گوہر نایاب کی حفاظت کریں؟“

وہ لڑکی جس نے تنگ پاجامہ پہن رکھا تھا، شرمندہ لہجے میں نگاہیں جھکاتے ہوئے بولی:

”نہیں بہن! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں، مجھے بھی اندر ہی اندر یہ چیز چبھ رہی تھی مگر بس فیشن کو دیکھ کر بغیر سوچے سمجھے پہن لیا، اور یہ حدیث جو آپ نے سنائی، یہ تو میں جانتی ہی نہ تھی ورنہ شاید کبھی خیال بھی نہ آتا ایسے کپڑے پہننے کا، جو ہمیں جنت کی خوشبو سے بھی محروم کر دیں۔ اگرچہ ہم بہت گنہگار سہی مگر پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی وعید برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں ہے ہم میں۔ میں آئندہ خیال رکھوں گی ان شاء اللہ، آپ کا بہت شکریہ، آپ نے اس طرف توجہ دلائی۔“

☆......☆

اور اس دن مجھے احساس ہوا کہ ہماری بہت ساری بچیاں اور خواتین صرف علم نہ ہونے کی وجہ سے ایسے بے ہودہ فیشن اپنا لیتی ہیں۔ بس ذرا سمجھانے کی دیر ہے۔ ہر انسان ایسا نہیں ہوتا کہ وہ آپ کی بات سنے اور جھٹلا دے اور اپنی خواہشات کے لبادے میں لپیٹ دے۔ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو فوراً لبیک کہتے ہیں۔ اس لیے کبھی تھک ہار کے بیٹھنا نہیں چاہیے کہ ہماری سنتا کون ہے۔ کوئی ایک نہ بھی سنے تو کوئی دوسرا ضرور سن لے گا۔

☆☆☆

تعزیت یا زحمت

تعزیت کے معنی تسلی دینے کے ہیں، مگر آج کل تسلی نہیں دی جاتی بلکہ غم کو اور بڑھایا جاتا ہے۔ تعزیت کے لیے جا کر بس یہی کرنا چاہیے کہ میت کے گھر والوں کو تسلی دی جائے اور میت کو ثواب بخشیں۔ یہ دونوں باتیں سنت ہیں اور باقی چیزیں جیسے بہت دور سے مہمانوں کا آنا اور دسویں اور چالیسویں وغیرہ میں شریک ہونا یہ سب غیر شرعی باتیں ہیں۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آج کل تو یہ حالت ہے کہ تعزیت کرنے جو آتا ہے وہ سارا قصہ پوچھتا ہے، خصوصاً عورتیں غمزدہ عورت سے گلے مل کر روتی ہیں، اب یہ غریب تو ایک ہے اور گلے لگنے والیاں سو ہیں۔ اس کے دل پر سو دفعہ نشتر لگتا ہے اور آنے والیوں کے دل پر (اگر اگر بناوٹ نہ ہو) تو ایک ہی دفعہ لگتا ہے۔ اس لیے یہ طریقہ تعزیت تو واہیات ہے۔ بعض لوگ جو جوان مر جاتے ہیں، اس کی تعزیت میں عام طور پر اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہائے جوان مر گیا، چھوٹے چھوٹے بچے رہ گئے۔ ابھی عمر ہی کیا تھی؟ ہاں جی! اللہ کی ذات بڑی بے پروا ہے۔

سو یہ لفظ 'بے پروا' نہایت ثقیل ہے اور یہ بالکل خلافِ ادب ہے۔ ان کلمات والفاظ سے سخت احتیاط کرنی چاہیے۔ بس آج کل تو تعزیت اس کو کہتے ہیں کہ بیٹھتے ہی رونے لگو یا رونے کی صورت بنالو اور یوں کہو کہ یہ خبر سن کر بہت ہی غم اور صدمہ ہوا۔ تمھارے دل پر کیا گزری ہوگی۔ ہائے کیسا گھر برباد ہو گیا جس سے غمزدہ کا دل اور پاش پاش ہو جاتا ہے۔ خصوصاً عورتوں کے کلمات تو ایسے زہر آلود ہوتے ہیں کہ ان کے متعلق تو فتویٰ دیتا ہوں کہ غم کے وقت ان کے کلمات سننا جائز نہیں۔ تعزیت کے لیے میعاد شریعت نے تین دن مقرر فرمائی ہے۔ اس لیے تین دن کے بعد تعزیت جائز نہیں۔ اب تعزیت کرنا نشتر مار کر مرہم پٹی کرنا ہے۔ اس طرح کے الفاظ تعزیت کے لیے ہو کہ ”بھائی جو مقدر تھا ہو گیا اب رونے دھونے سے مرحوم تو زندہ ہونے سے رہا، نہ اس میں مردے کا کچھ نفع ہے، تم تو وہ کام کرو کہ اس کو بھی نفع ہو اور تم کو بھی، وہ یہ کہ قرآن لے کر بیٹھ جاؤ اور پڑھ پڑھ کر اس کو بخشو۔ نفلیں پڑھو اور اس کا ثواب اس کو بخشو۔ ذکر کرو اس کا ثواب پہنچاؤ۔ اس کے لیے دعائے مغفرت کرو۔

منفی سوچوں کو ذہن سے جھٹک کر یہ سوچیے کہ وہ جنت میں گیا ہے جہاں یہاں سے زیادہ راحت ہے اور کچھ دنوں میں ہم بھی وہاں پہنچ کر اس سے ملیں گے۔

اللہ ذوالجلال ہم سب کو ان طریقوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

حیا احمد۔ کراچی

مشکوٰۃ نبوت

اقبال رحمہ اللہ کا شعر ہے:

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

تقدیر ملت کے ان ستاروں کی روشنی اس وقت آب وتاب کے ساتھ ہوتی ہے جب یہ عہد شباب کی منزلوں کے رہ گزر میں واقع کہکشاؤں کے مسافر ہوں۔ جس طرح آسمان کے تابندہ ستاروں کی تابندگی ان کی ذاتی نہیں استفادی ہوتی ہے، ٹھیک اسی طرح ستارہ تقدیر ملت کی روشنی بھی اس کی ذات میں نہیں ہو سکتی، اس کے لیے استفادۂ نور یا حصول ضیاء کا کوئی ”روشنی ہاؤس“ اگر ممکن ہے تو وہ مشکوٰۃ نبوت ہی ہو سکتی ہے۔ یہی وہ چراغ ہے جس سے نور ہدایت حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یہی وہ چشمۂ فیض یاب ہے جس سے زندگی کے خشک کھیت سیراب ہو سکتے ہیں۔ یہی مقام انسانیت کے خزاں رسیدہ چمن کے لیے ”غازہ بہار“ ہے، ادراک نبوت ہی ہے جس کا خورشید منور اپنی ضیاء پاش کرنوں سے بزم انسانیت کی ظلمتوں کو ختم کر کے صبح سعادت کا آغاز کرتا ہے۔

[اقتباس از: التجائے مسافر]

فریحہ نعمان۔ شور کوٹ

بزمِ خواتین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

☆ مارہ ۱۰۷۴ ہر لحاظ سے بہترین لگا۔ حسبِ معمول قرآن وحدیث سے استفادہ کرنے کے بعد دستک پڑھی جس میں کراچی کتب میلے کا ذکر پڑھ کر دل للچا کر رہ گئے۔ ہند بنت مہلب کا تعارف پڑھ کر اچھا لگا۔ بنت شکیل اختر چھوٹے سے مضمون کے ساتھ نظر آئیں۔ 'اور میں اپنے وعدے پر پورا اتروں گا' کی دوسری قسط بھی شاندار تھی۔ 'محبت کی بنیاد' بنت نجم الدین اس میں رشتوں کی اہمیت سمجھاتی ہوئی نظر آئیں۔ 'بکھرے رشتے' دکھ سے بھرپور کہانی تھی جو حاسدین کا حسد ظاہر کر رہی تھی۔ 'بزم خواتین' آٹھ خطوط کے ساتھ پورے صفحے پر چھائی ہوئی تھی مگر ہمارا خط ندارد۔ 'مکرِ مردانہ' شاندار مضمون تھا۔ ساجدہ غلام محمد، اور ڈاکٹر سارہ الیاس سے گزارش ہے کہ جلد ہی تحریروں کے ساتھ اپنے اس چمن میں تشریف لائیں۔ تمام قارئین، لکھاریوں اور مدیر کے لیے ڈھیروں دعائیں۔

(حور عینا، حفصہ صفدر۔ کبیر والہ)

ج: سارہ بہن تو اپنے منے کے احوال کے ساتھ تشریف لے آئیں، ساجدہ بہن بے چاری آج کل ایک بار پھر اپنی پڑھائی میں مصروف ہیں۔

☆ شمارہ ۱۰۶۸ سرورق بہت دلنشین بس ایک پری کی کمی لگی۔ القرآن والحدیث کے بعد مسائل کی طرف آئی اور قیولہ کا مسئلہ پڑھ کر سمجھ آیا کہ قیلولہ کہتے کسے ہیں۔ میں بھی اپنے آپ کو اس نرے بودے قلمی مجاہد میں شامل سمجھتی ہوں کہ آج فلسطین میں جنگ چھڑے ہوئے بھی لگ بھگ چار مہینے ہوئے مگر میرے کان پر جوں تک نہ رینگی اور باوجود بہت چاہنے کے اب تک کچھ بھی نہ لکھ سکی۔ میں اپنے بیٹے کی جدائی سے ڈر جاتی ہوں، ایک چور سا خیال آجاتا ہے کہ میں کیسے اسے وہاں میدان جنگ میں بھیج سکتی ہوں! ہاں بس اتنا کر لیتی ہوں کہ بیٹے کو روزانہ پاس بٹھا کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور جنگوں کے بارے میں قصے اور واقعات اور حکایات سنا دیتی ہوں اور کیا کروں؟ اے اللہ تو ہی کچھ کر میرے مالک تو ان کافروں کے لیے اکیلا ہی کافی ہے۔ تو ان پر قہر بن کے ٹوٹ پڑ یا اللہ! ان یہودیوں پر اے میرے رب میری بزدلی، کم ہمتی کو دلیر ممتا میں بدل دے آمین ثم آمین۔ ام محمد سلمان کا نام ہی کافی ہے۔ ان کی تحریر میں دل کی آنکھوں سے پڑھتی ہوں۔ 'محاسبہ' کو بھی پڑھا اور بہت شاندار پایا اور رحم بھی آیا ان خاتون پر، ہم نے بھی آج کل کے دور میں سنت کے نام پر دوسری شادی کرنے والوں کو بے وقعت ہوتے دیکھا ہے۔ 'وقت میں برکت' بہت اچھی تحریر لگی اور بہت کچھ سیکھنے کو بھی ملا۔ 'کتنی عظیم تھیں یہ حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا'۔ 'حفظِ قرآن' اور 'بھٹکے ہوئے آہو' کو بہت لاجواب تحریریں ہیں۔ 'عنبر' ہماری دعا ہے کہ یہ تحریر آپ کے لیے صدقہ جاریہ بنا دے۔ آمین! 'خواتین کے مسائل' کے بعد آپ کا 'آئینہ گفتار' پڑھا۔ آپ کی باتیں بس ٹھیک لگیں۔ عفت مظہر کی تحریر اس کے مقابلے میں ٹھیک لگی، ہمیں بھی ایسے لوگ نہیں اچھے لگتے۔ تحریر، شخصیت اور پھر زندگی میں بھی تضاد، بہت عجیب سی بات ہے۔

(اہلیہ ہاشم۔ ناظم آباد، کراچی)

ج: ہم نے اپنی طرف سے تو کچھ عرض نہیں کیا تھا۔ قرآن وحدیث میں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات ہیں، بس وہی لکھے تھے۔

☆ شمارہ ۱۰۷۵ کا سرورق بہت بھلا لگا۔ 'ایک اہم نکتہ' آئینہ گفتار پڑھا۔ 'کوئی ضامن لے آؤ' تحریر کی اچھی طرح وضاحت کی گئی۔ 'بنجر دل' اہلیہ راشد اقبال پڑھ کر دل دکھ سے بھر گیا۔ اللہ کی رضا میں راضی ہونے کے بجائے لوگ اسے طعنے دینے لگتے ہیں جس کا کوئی قصور نہیں۔ 'ون ڈش' عفت مظہر صاحبہ نے سچی روداد لکھی ہے کیا؟ خواتین کی اچھی طرح اصلاح کی۔ 'اے تمام عالموں کے معبود' محمد عاشق الٰہی کا انتخاب بہت پسند آیا، خوب غور سے ایک ایک لفظ پڑھا اور دل میں اتارا۔ 'سردی آئی' سیما انجم فرید مفید تحریر کے ساتھ آئی۔ 'بزمِ خواتین' تو رسالے کی جان ہے جسے پڑھے بغیر مزہ نہیں آتا۔ 'پاپا' بنت ایوب مریم کی تحریر نے مزہ دیا۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ جو اپنائیت اور محبت 'ابو' نام میں ہے۔ وہ پاپا، ڈیڈی، پپا وغیرہ میں کہاں۔

(حیا احمد۔ کراچی)

ج: واقعی، ابا، ابو، بابا جتنے عربی فارسی اردو خطاب ہیں، سبھی دلکش ہیں!

☆ شمارہ ۱۰۸۲ کے سرورق پر گنبد خضرا اپنی پوری شان وشوکت کے ساتھ رونق افروز ہے۔ دیکھ کر بے اختیار لبوں پر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاری ہوا۔ 'انہوں نے واقعات اور ہم' آپ کا آئینہ گفتار پڑھ کر اب ہم آپ کے سفرناموں کے منتظر ہو گئے۔ 'احساسِ زیاں' گردن کا سریا' نیرنگی کا زمانہ' عمدہ کاوش رہیں۔ محترمہ جبیں چیمہ کا ناول پڑھ کر تو دل خون کے آنسو روتا ہے، بہت پیارا اور دلسوز ناول۔ اگلے شمارے میں دو وصیتیں 'ماسی' پر رشک آنے لگا۔ محترمہ ام محمد سلمان کی تحریر 'ہم قدم' چلبلی ثابت ہوئی۔ اس شمارے میں بزمِ خواتین کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔ چاچو آن لائن بکنگ یعنی رسالوں کی سالانہ ممبر شپ ہم نے اس لیے حاصل کی تھی بقول اشتہار کے ''شمارے آپ کی میز پر ایک آدھ دن پہلے ہی پہنچ جائیں گے!'' مگر ہمارے ساتھ تو یہ ہوا کہ بدھ کا شمارہ جو ہاکر ہمیں صبح دس بجے ہی پہنچا دیتا تھا اب وہ ہمیں چھے دن بعد یعنی اتوار کا بچوں کا اسلام سمیت ایک دن لیٹ پیر کو ملتا ہے۔ یہ تو بھئی اچھا نہیں ہوا ہمارے ساتھ۔

(بنت البحر۔ ٹنڈو آدم)

ج: اکثر جگہ تو پہلے ہی پہنچ جاتا ہے، شاید ہمارے ٹنڈو آدم کا پوسٹ آفس ہی تاخیر کرتا ہو۔ ویسے ہمارا مشورہ تو اب ڈاک خانوں کے مسائل کی وجہ سے سب کے لیے یہی ہو گیا ہے کہ گھر پر شمارے ماہانہ ایک ہی ڈاک سے منگوالیں، رجسٹرڈ ڈاک سے ایک ساتھ سارے شمارے لیجیے اور پورے مہینے پڑھتے رہیے۔ خیر یہ بتائیے کہ کیا کفارہ ادا کریں ہم؟

☆ شمارہ ۱۰۸۲ کا آئینہ گفتار 'انہوں نے واقعات اور ہم' بہت پسند آیا۔ 'احساسِ زیاں جاتا رہا' اچھی تحریر تھی۔ 'اسلامی معاشرت کا حسن' قابل غور تحریر ہے۔ 'گردن کا سریا' فاطمہ اعجاز نے بہت اچھا لکھا۔ 'نیرنگی کا زمانہ' کیا کہنے۔ آج کل کی نوجوان نسل کو تباہ کرنے میں سوشل میڈیا کے غلط استعمال کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ اللہ ہمیں راہِ ہدایت پر چلائے آمین۔ بھائی بائیک پر بیٹھ کر آوازیں لگا رہے ہیں باقی تبصرہ پھر سہی۔

(بنت مولوی شبیر احمد۔ وہاڑی)

ج: تو پھر ہم بھی لکھے دیتے ہیں کہ ہمارے بٹیا ہمیں آواز دے رہی ہے اس لیے باقی جواب پھر سہی۔

☆ شمارہ ۱۰۷۵ کا سرورق خوب صورت تھا۔ اہلیہ راشد اقبال کی تحریر 'بنجر دل' پڑھ کر دل دکھ سے بھر گیا۔ عفت مظہر کی تحریر 'ون ڈش' بہت اچھی کہانی تھی۔ اگر ہمارے اردگرد بھی کوئی کسی غلط یا غیر شرعی کام میں ملوث ہے تو ہمیں بھی انھیں راہِ راست پر لانے کے لیے پہل ضرور کرنی چاہیے۔ شمارہ ۱۰۷۶ میں 'چاکلیٹ' اور 'سچی بات کا نتیجہ' پڑھ کر ہم مسکرا اٹھے۔ دل کا معاملہ بھی زبردست کہانی تھی۔ 'کوئی تو سمجھے' ام محمد سلمان کمال کر دیتی ہیں۔ شمارہ ۱۰۷۷ کے 'آئینہ گفتار' میں ہمارے مدیر چاچو نے فرمایا کہ اب آئینہ گفتار کا یہ صفحہ محض نصیحت سے بڑھ کر ذاتی صفحہ اختیار کر گیا ہے۔ بات دوسرے کی ہو یا ذاتی، مذاق میں ہو یا سنجیدہ ہمارے چاچو کی ہر بات میں ہمارے لیے کوئی نصیحت یا کوئی نہ کوئی سبق ضرور پنہاں ہوتا ہے۔ 'پگڈنڈی' تحریر میں محترمہ ریحانہ تبسم فاضلی نے اپنی بیماری کا ذکر کیا لیکن وہ جس طرح صبر وشکر کے ساتھ دعاؤں اور اذکار سے جڑی رہیں وہ قابل تعریف ہے۔ 'مشرقی بیگم' اور 'جھڑوسن' پڑھ کر ہم بے اختیار مسکرا اٹھے۔ بنت مولوی شبیر کی تحریر 'نمائش' زبردست تھی۔ بنت مولوی شبیر احمد کو دل کی گہرائیوں سے عالمہ کا کورس مکمل کرنے پر مبارک باد۔ اللہ آپ کو ہمیشہ اپنے دین کے لیے قبول فرمائے رکھے۔ آمین!

(معلمہ بنت ملک اشرف۔ گڑھا موڑ)

ج: مبارک باد قبول کیجیے۔ اللہ تعالیٰ نافع علم کے ساتھ مقبول عمل کا جوڑ عطا فرمائے، آمین!

آپ کا دسترخوان

چائنیز تکے:

فرح مشعل

اشیاء:

گوشت ایک کلو، گھی ڈیڑھ پاؤ، لونگ نو عدد، کالی مرچیں نو عدد، چھوٹی الائچیاں آٹھ عدد، پیاز آدھا کلو، ادرک، ایک چھوٹی سی گانٹھ، پسا دھنیا تین چٹکی، پسی ہوئی لال مرچ حسب پسند، نمک آدھ چھٹانک، دہی حسب ضرورت۔

ترکیب:

گوشت کے پتلے پارچے بنالیں۔تھوڑا گھی پتیلی میں ڈال کر اسے چولہے پر چڑھانے کے بعد تیز آنچ پر کڑکڑائیں اور اس میں پارچے ڈال کر تل کر لال کریں پھر پتیلی سے نکال کر ایک کھلے سے برتن میں برابر برابر رکھیں اور ان پر ادرک کا عرق اور نمک لگائیں۔اب پیاز کو بہت باریک کاٹیں، پھر اسے کڑکڑاتے ہوئے گھی میں خوب لال کرنے کے بعد دہی میں ملا دیں۔اور اس کو گوشت سمیت پتیلی میں ڈال کر خوب اچھی طرح بھونیں اور تھوڑا سا پانی بھی ڈالتے رہیں۔جب یہ پانی اور دہی خشک ہو جائے تو خشک دھنیا پانی میں ملا کر ڈال دیں۔کچھ دیر بعد گوشت کے پارچے گل جائیں گے۔انھیں پتیلی سے نکال لیں پھر پارچوں کو الگ الگ گھی میں تلیے اور سیخ پر چڑھا کر آگ پر پختہ کریں۔پارچوں کو پسا ہوا مصالحہ اور پانی دیتے جائیں، اس طرح یہ بہت نرم ہو جائیں گے۔چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔

دہی والے چانپ:

اشیاء:

چانپ آدھا کلو، دہی ایک پاؤ، گھی دو چھٹانک، لہسن بارہ جوئے، ادرک ایک چھوٹی ڈلی، ہری مرچ حسب ذائقہ، ہرا دھنیا حسب ذائقہ، کالی مرچ حسب ذائقہ، نمک حسب ذائقہ، پیاز ایک بڑی ڈلی۔

ترکیب:

سب مصالے پیس کر دہی میں ملا کر چانپوں پر لیپ دیں۔کچھ دیر بعد گھی کڑکڑا کر چانپ اس میں تل لیں۔مزے دار دہی چانپ تیار ہیں۔

☆☆☆

ہچکیاں کیسے روکی جاسکتی ہیں؟

ہچکیاں کسی کے یاد کرنے سے نہیں آتیں بلکہ یہ پیٹ کی جھلی میں کسی خارش یا سکڑنے کا نتیجہ ہوتی ہیں۔یہ بہت تیزی سے کھانے، تمباکو نوشی، جذباتی تناؤ یا کسی بھی جوش وخروش کے نتیجے میں شروع ہوتی ہیں اور دل تیزی سے دھڑکنے لگتا ہے۔یہ شروع ہو جائیں تو روکنا مشکل ہو جاتا ہے۔ان کی کوئی دوا نہیں۔روکنے کے لیے کچھ آزمائے ہوئے طریقے یہ ہیں:

۱۔سب سے عام ٹوٹکا اپنی سانس روک لینا ہے اور اسے ہی سب سے پہلے آزمانا چاہیے۔یہ طریقہ کار پھیپھڑوں میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جمع کرتا ہے جس سے ہچکیوں سے نجات ملتی ہے۔

۲۔بہت زیادہ ٹھنڈا پانی یا پانی میں برف ملا کر پینا بھی ہچکیاں روکنے میں مدد دے سکتا ہے۔ٹھنڈا پانی پیٹ کی جھلی کی خارش کو روکتا ہے جو ہچکیوں کو باعث بنتی ہے۔

۳۔پیپر بیگ یا پلاسٹک شاپر میں سانس لینا بھی ہچکیوں کو روکنے میں مدد دیتا ہے۔اس سے آکسیجن ختم ہو جاتی ہے تو خون میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کی سطح بڑھنا پیٹ کی جھلی کی خارش کو روکتا ہے۔

۴۔کرسی پر بیٹھ کر پیر کرسی کی سطح پر رکھ دیں تاکہ گھٹنے سینے کے پاس پہنچ جائیں اور ہاتھ سے ایسے تھام لیں جیسے گلے مل رہے ہوں اور پھر پیر سیدھے کرلیں۔یہ عمل کئی بار دہرائیں۔اس سے بھی ہچکیاں رک جاتی ہیں۔

۵۔ایک چمچ چینی کا نگل لینا بھی ہچکیوں کو روکنے کا مقبول طریقہ ہے۔اس کے دانے پردہ شکم کو ہلکا سا چھیڑتے ہیں جس کے نتیجے میں اعصاب خود کو 'ری سیٹ' کرلیتے ہیں۔

۶۔سرکے کا ایک چمچ آزما کر دیکھیں۔اس کا ترش ذائقہ بھی ہچکیوں کو روک دے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۷۔مرچوں والی چیزیں بھی ہچکیوں کی روک تھام کے لیے کارآمد ہوتی ہیں کیونکہ ان کی حرارت اور جلن جسم کی توجہ اس جانب مرکوز کرانے کے لیے کافی ہوتی ہے۔

۸۔ایک چائے کا چمچ شہد گرم پانی میں ہلائیں اور نگل لیں۔شہد اعصاب کو پرسکون کرتا ہے۔

۹۔کوکا یا اوولٹین کی ایک چمچ کے برابر مقدار پھانک لیں۔اس کو نگلنا اتنا آسان نہیں ہوتا اس لیے ہچکیاں رک جاتی ہیں۔

۱۰۔ٹشو پیپر کی ایک تہ گلاس کے ٹاپ پر بچھائیں اور پھر پانی کو ٹشو کے ذریعے پینے کی کوشش کریں۔اُس سے پردہ شکم کو پانی کھینچنے میں جس مشکل کا سامنا ہوگا، اس سے ہچکیوں کا باعث بننے والے مسلز کی حرکت بھی تھم جائے گی۔

انتخاب: ام احمد